ISSN 0974-7346

جولائی ۲۰۲۶ء

جلد ۲۱۳ —— عدد ۷

# معارف

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY**

**AZAMGARH**

# سالانہ زرتعاون

| | | |
|---|---|---|
| ہندوستان میں | : | سالانہ ۴۰۰/روپے۔ فی شمارہ ۴۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۱۰۰۰/روپے |
| | | ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۸۰۰/روپے میں دستیاب ہے۔ |
| | | ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپے ہے۔ |
| دیگر ممالک میں | : | سادہ ڈاک ۱۷۳۰/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰/روپے |

اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ای میل (ساری دنیا میں) ۴۰۰/روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔اس لئے فی الحال پاکستان معارف کی ترسیل موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر کر کے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

**Account Name: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY**
**Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh**
**Account No: 4761005500000051 - IFSC : PUNB0476100**

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY**

● زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔ ● معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔ ● خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ● معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔ ● کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔رقم پیشگی آنی چاہئے۔

**دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کے تصنیفی اور نشریاتی کام میں مدد کے لیے اس اکاؤنٹ پر تعاون کریں:**

بینک کا نام:Punjab National Bank

اکاؤنٹ نمبر:4761005500000051

آئی ایف ایس سی:PUNB0476100

تعاون بھیجنے کے بعد تفصیلات سے ہم کو اس ایمیل پر مطلع کریں:

info@shibliacademy.org

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی CSR کے تحت رجسٹرڈ ہے۔اب بڑی تجارتی کمپنیاں براہ راست دارالمصنّفین کو CSR کے تحت عطیات دے سکتی ہیں۔

**نوٹ:** غیر ممالک سے تعاون بھیجنے کے لیے بینک کی تفصیلات ایمیل بھیج کر حاصل کریں۔

**Ma'arif Section: 06386324437**
Email: info@shibliacademy.org website: www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

# معارف

جلد نمبر ۲۱۳ | ماہ محرم الحرام ۱۴۴۸ھ مطابق ماہ جولائی ۲۰۲۶ء | عدد ۷

## مجلس ادارت

پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی
پروفیسر شریف حسین قاسمی
پروفیسر اشتیاق احمد ظلی
ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی
ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

مرتبہ

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
محمد عمیر الصدیق ندوی
کلیم صفات اصلاحی

ادارتی سیکریٹری:

ڈاکٹر کمال اختر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر:۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱
info@shibliacademy.org

## فہرست مضامین

| | | |
|---|---|---|
| شذرات | محمد عمیر الصدیق ندوی | ۴ |
| مقالات | | |
| معاصر عربی ادب میں اسلامی عناصر | ڈاکٹر محمود عاصم | ۷ |
| ہند، ایران علمی رشتہ: تصانیف شبلی کے تناظر میں | ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | ۱۷ |
| مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا مطالعۂ سیرت | کلیم صفات اصلاحی | ۳۲ |
| قرآن برائیوں کو روکتا ہے | ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں | ۵۲ |
| اخبار علمیہ | ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں | ۵۷ |
| باب التقریظ والانتقاد | ع۔ص | ۵۸ |
| تبصرۂ کتب | ع۔ص، ک۔ص اصلاحی، غالب شمس، ف۔اصلاحی | ۶۴ |
| معارف کی ڈاک | ظفر الاسلام اصلاحی، پروفیسر محی الدین۔جی، بامبے والا، ڈاکٹر شکیل الرحمن | ۷۶ |
| رسید کتب موصولہ | | ۸۲ |

# شذرات

محرم الحرام کے مہینے سے نئے قمری سال کی آمد کا اعلان ہو گیا۔ بظاہر یہ گردش لیل و نہار کا ایک تکوینی اور قدرتی عمل ہے۔ سات آسمانوں کی گردش میں رات دن کی الٹ پھیر ایک ایسے نظام کے تحت ہے جس کا بنیادی مقصد، انسانوں کے قلب و نظر کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتے رہنا ہے۔ یہ دنیائے ارض و سما، در حقیقت عبرت کدۂ عالم ہے۔ اس میں عروج و زوال کی کہانیاں ہی نسل انسانی کی اصل تاریخ ہیں۔ یہ تاریخ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح بنتی بگڑتی رہی ہے۔ قمری ہو، شمسی ہو یا کسی اور نسبت سے ماہ و سنین کا معاملہ ہو، کاروان زندگی کی نئی منزلوں اور پیچھے رہ جانے والے غبار کارواں کے سوا اور کچھ نہیں۔ قمری یا اسلامی سال کی نسبت ہجری بھی اسی حقیقت کی مظہر ہے۔ حق اور صداقت اور انسانی معاشرے کی تکریم و حرمت اور انسان کی اپنی وجہ تخلیق کی اور ایک صاحب قدرت خالق کی، تلاش و معرفت ایک پہلو ہے، دوسرا اس کے برعکس باطل عقیدہ، غیر انسانی حرکات اور ابلیسی و شیطانی رذائل کے ذریعہ اپنے معبود حقیقی کا انکار اور انکار ہی نہیں حق و صداقت اور حسن و خیر اور عدل و انصاف اور مساوات و مواخات کے تمام انسانی فضائل سے نفرت اور عداوت، یہ وہ دوسرا رخ ہے جو حد سے گزر جائے تو پھر مال و دولت، اقتدار، قوت اور عددی تفوق و کثرت کا احساس لیے حد سے گزر جانے والے ذہنوں میں اپنے ہی جیسے انسانوں کو گھر سے بے گھر کر دینے اور خدا کی زمین کو ان کے لیے تنگ کر دینے اور فطری آزاد فضا میں سانس لینے کے حق کو غصب کر لینے کی شیطانی جبلتوں کو ہوا ملتی ہے۔ انسانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کرنے کی وجہ صرف یہ تلاش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیوں کر بیٹھے کہ ان کا رب، اللہ ہے۔ ہجرت اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ مکہ کی چھوٹی سی اقلیت کو بار بار گھر بار، وطن اور خاندان سے بے تعلق کرنے میں یہی ذہنیت کارفرما تھی کہ باطل کے لیے راہ ہموار ہو جائے اور حق کے نصیب میں درماندگی آجائے۔ ہجرت کے اسباب و عوامل میں یہی حقیقت کارفرما ہے لیکن ظلم و جبر کی نگاہیں، ہجرت کے اس دوسرے رخ کو دیکھنے سے محروم رہتی ہیں کہ ہجرت کی بے بسی اور بے کسی اور مجبوری کی بے چارگی، اپنے دامن میں عزم، حوصلہ، اعتماد اور یقین کی اس دولت کو پا لیتی ہے جو ایک نئی فتح کی ضمانت بن جاتی ہے۔ اسلام میں ہجرت کے عمل کے نقطہ عروج اور ہجرت نبوی کی معنویت جن اصحاب نظر پر عیاں تھی، ان کے لیے شکست و فتح اور عروج و زوال کی حقیقت کے ادراک کے لیے واقعہ ہجرت سے بڑھ کر شمار روز و شب کے لیے اور کیا پیمانہ ہو سکتا تھا۔ اسی پیمانہ امروز و فردا کی سب سے معتبر پہچان کی

حیثیت سے ہر نیا ہجری سال، عزیمت، قوت اور تغیر احوال کی جد وجہد کی علامت بن جاتا ہے۔ نئے ہجری سال کے استقبال اور اس کے خیر مقدم کی اہمیت کا جواز بھی اسی سے ہے۔

***

موجودہ ملکی اور عالمی تناظر میں غاصبانہ اقتدار، سازشوں اور اسلحوں کے دم پر ظلم وجبر اور سرمایہ داری اور مادی خود غرضی کا جو حشر بپا ہے۔ اس میں نفسی نفسی کا شور سب پر غالب ہے لیکن دنیا کی ہر طاقت کو اپنا خدا سمجھنے والوں کا تختۂ مشق، انسانوں کی وہ جمعیت ہے جو اپنے لیے ایک خدا کو کافی سمجھتی ہے۔ ہر ظلم، ہر ناانصافی اور ہر اذیت کا رویہ جس طرح ملک عزیز میں ایک چھوٹی سی اقلیت کے لیے روا رکھا گیا، اب اس کی تفصیل کی ضرورت بھی نہیں رہی، ہر دن ایک نئے زخم سے شروع ہونا جیسے ایک قوم کے مقدر کا حصہ ہو گیا ہے۔ مذہب، تاریخ، تہذیب، معیشت، معاشرت اور عام انسانی وشہری حقوق پر ایک یلغار ہے جو مقامی کے ساتھ ذہنی وفکری ہجرت کا سبب بنتی جاتی ہے۔ ملک عزیز کے ماضی میں تلخ یادوں کی کمی نہیں لیکن موجودہ تصویر اتنی کریہہ اور اتنی خوفناک ہوگی، ماضی نے کبھی اپنے مستقبل کی اس شکل کو تصور میں لانے کا گمان بھی نہیں کیا ہوگا۔

***

گمان تو ان کو بھی نہیں ہوا جو امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا کا حق رکھتے تھے اور جن کو قیادت اور رہنمائی کا استحقاق ثابت کرنے میں کوئی دقت بھی نہیں تھی۔ اب سیاسی وسماجی قیادتوں کی دیرینہ نسبتیں رکھنے والے بھی ان دنوں کی کسک محسوس کرنے میں معذور نہیں جب ایک ملک میں صرف پندرہ بیس فیصد کی آبادی کو منصب توازن حاصل تھا اور جب فسطائی طاقتیں تہذیب وثقافت کے لبادہ میں بھی عریاں نظر آتی تھیں۔ قیادت نام ہے مستقبل کے اندیشوں سے باخبری اور حذر کا۔ لیکن جب ادبار وزوال کی باد صرصر چلتی ہے تو پھر سب سے پہلے شعور، عقل اور خرد پر آنچ آتی ہے۔ ایک مدت دراز سے قوم اور قومی قیادت کا امتحان ہوتا رہا ہے۔ جن کے دل میں درد تھا وہ کہتے رہے کہ خیالات یا اقدامات پر دوبارہ نظر کرنے کی ضرورت ہے۔ قوم کی بنیاد کو جس دیمک نے کھوکھلا کیا اور کرتی رہی ہے، وہ اپنے افکار واعتقادات اور اپنے تصورات و نظریات پر مشتمل تعصب ہے۔ اقتدار اور سکون کے عالم میں یہ تعصب شاید کسی درجہ برداشت کے قابل ہو سکتا ہے لیکن جہاں قوم وملت کے سامنے بغداد واندلس وصقلیہ کی تباہی وبربادی کے مناظر، متحرک ہو جائیں وہاں اگر فکر وعمل کی کوششوں سے اعراض کیا جائے اور اس ذمہ داری کا احساس بھی نہ رہے جو پوری قوم کی گمراہی اور غلط روی سے محفوظ رکھنے میں معاون ہو تو اس عمل کو کیا کہا جائے۔ پرانی مخالفتوں اور رایوں کے اختلاف کو دفن نہیں کیا جا سکتا تو قوم اور اس کے قائدین بھی ان ناموں کی فہرست میں اضافہ بن جائیں گے جو نہ ملک کے کام آسکے اور نہ ہی قوم کے۔

بہت پہلے معارف نے ماضی میں قائدین کے علاوہ امت کے مصلحین کی بھی معاشرے میں موجودگی کی ضرورت محسوس کی تھی۔ کہتے ہیں کہ قوم کے مصلح، دراصل قوم کے معلم ہوتے ہیں اور جس طرح ایک کامیاب معلم کی پہچان یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ تعلیم و تربیت کے فطری اصول کی پیروی کرنے والا ہو، جو طلبہ میں صبح خیزی، ورزش اور جدوجہد کی عادت ڈالے اور ان کو آرام طلبی، راحت جوئی اور سہل پسندی سے بازرکھے، اسی طرح قوم کے مصلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوم کو عیش پرستی، آرام طلبی اور تعطل سے باز رکھ کر محنت اور جدوجہد میں مصروف رکھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اسی تمہید کی روشنی میں لکھا تھا کہ موجودہ قومی تعلیم و تربیت میں اسی اصول کی سب سے کم پیروی کی گئی بلکہ انجمنوں، جماعتوں اور پارٹیوں نے سب سے زیادہ قوم کو نکما اور سست بنادیا۔ انہوں نے قوم کو اس عادت کا خوگر بنادیا کہ بس بڑی بڑی تجویزیں، کانفرنسوں اور کنونشنوں کے ذریعہ پیش ہوتی رہیں، نتیجتاً تجویزیں بنانے اور منظور کرانے کا عمل، ایک ہنر میں بدل گیا۔ جو اصلاً بات بنانے کا ہنر تھا۔ بقول سید صاحب، یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہوگئی مگر کامی نہیں ہوئی۔ قوموں کی تعلیم و تربیت کا راز یہ بتایا گیا کہ جو بات جماعتی اور اجتماعی حیثیت سے زبان سے نکالی جائے اس کو کرکے چھوڑا جائے تاکہ حوصلے سرد نہ پڑیں اور زندگی کا سرچشمہ جوش مارتا رہے۔ یہ خیالات برسوں پہلے معارف کے ذریعہ ادا کیے گئے مگر خدا جانے کیوں ایسا ہوا کہ قوم کا سیاسی بلکہ حقیقتاً مذہبی شعور، بیدار ہوا نہ تیار ہوا کہ وہ آنے والے طوفانوں کی آہٹ محسوس کرسکے۔ آزادی کے بعد ملک کے دستور اورآئین کے تحفظات کو عام طور سے تنقید اور تنقیص کی اسی نظر سے دیکھا گیا جو دستور سازوں کے مخالفوں کی نظر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن سے توقع کسی درجہ ہوسکتی تھی وہ منظر سے ہٹ گئے یا ہٹا دیے گئے۔ قوم کی نگاہِ انتخاب کے بھٹکنے کی راہیں ہموار کی جاتی رہیں اور اب حال یہ ہے کہ ہر صبح نوحہ و ماتم کا سامان لاتی ہے اور ہر شام سینہ کوبی کی نذر ہوجاتی ہے۔ قوم کے سچے اور مخلص مصلحین کو فراموش کرنے کی سزا، ناروا بہرحال نہیں۔

***

افسوس جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایک نہایت لائق اور فاضل استاذ مولانا مبارک حسین مصباحی اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے۔ ابھی ان کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن ان کی علمی صلاحیتوں اور خاص طور پر رسالہ جامعہ اشرفیہ میں ان کے اداریوں اور مضامین سے ان کو بڑوں کی صف میں جگہ حاصل ہوگئی تھی۔ دارالمصنّفین بھی وہ کئی بار آئے اور اپنی خوش اخلاقی اور خوش کلامی کی خوشبو پھیلا گئے۔ تحریروں میں توازن تھا اور جس تعصب نے جماعتوں کی روح کو زخمی کررکھا ہے۔ اس سے ان کے خیالات پاک تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

***

مقالات

# معاصر عربی ادب میں اسلامی عناصر

ڈاکٹر محمود عاصم
شعبہ عربی، آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی
mahmoodasimjnu@gmail.com

عربی ادب میں اسلامی عناصر کا آغاز اسلام کی آمد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس میں احسن القصص وارد ہوئے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو گذشتہ قوموں کے قصے سنائے، اور اس طرح مسلمانوں میں باقاعدہ قصّاص یعنی قصہ گو پائے گئے۔ عربی ادب میں ایسے بہت سے قصے پائے جاتے ہیں جو سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہے۔ حدیث میں ادب کی اثر انگیزی اور خوبی کی بنا پر بیان کی طاقت کو جادو سے تعبیر کیا گیا ہے: "وإن من البيان لسحراً" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے صحابہ کرام نے ادب میں اسلامی مزاج وعناصر کے وجود اور اس کارواں کی قیادت کی اور ان کے تابعین میں سے بہت سے لوگ اس منزل کے راہی بنے۔ چنانچہ عربی ادب میں اسلامی عناصر کے حامل بہت سے ذہین لوگ نمودار ہوئے جنہوں نے خلافتِ راشدہ، اموی اور عباسی دور میں اس ادبی کارواں کو آگے بڑھایا۔ جب مسلمانوں کا زوال شروع ہوا اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں احساس کمتری کا شکار ہوئے تو یہ زوال ادبی میدان تک بھی پھیل گیا۔

**عربی ادب میں اسلامی عناصر: ضرورت وماہیت:** ادب انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور فطرت کو اپیل کرنے والی اور اس سے میل کھانے والی کسی چیز سے اسلام انسان کو منع نہیں کرتا ہے، بلکہ اسلام ایسی چیزوں کو صحیح رخ دیتا ہے۔ وہ ادب برائے ادب یا ادب برائے لطف ومزاح سے نکال کر اس کو زندگی کی حرکت وعمل سے جوڑتا ہے۔ ڈاکٹر عبد الرحمن رأفت باشا اسلامی ادب کی تعریف

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري، ابن حجر عسقلاني، جزء ۱۰، ص ۲۴۷، حدیث نمبر ۵۴۳۴۔

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ادب اسلامی وہ بامقصد فنی تعبیر ہے جو زندگی، کائنات اور انسان کے متعلق ادیب کے اس وجدان کا نتیجہ ہو جس کو اس نے خالق و مخلوق کے تئیں اسلام کے عطا کردہ تصورات سے اخذ کیا ہو۔[۲]

ڈاکٹر مامون جرار اپنی کتاب ''اسلامی افسانوی ادب'' میں ادب کے ساتھ ''اسلامی'' کا لاحقہ لگانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ادب کو ہر دور میں نظریات کی ترسیل کے لیے مختلف مفکرین نے تختۂ مشق بنایا۔ سرمایہ داروں نے جنسی بے راہ روی کو افسانوی ادب کے ذریعے رواج دیا تو کمیونسٹوں نے کمیونزم کے نظریات کے لیے افسانوی ادب کا سہارا لیا۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کی ترویج، مارکسی تحریک ہو یا مسیحی نظریات ہوں، کلاسیکیت، رومانیت سے لے کر وجودیت، رمزیت اور لادینیت نے بھی افسانوی ادب کا سہارا لیا ہے۔ جب ان نظریات نے افسانوی ادب کو دل تک پہنچنے کا ذریعہ مانا تو اسلامی نظریات کو بھی افسانے میں جگہ ملنی چاہئے۔[۳]

عربی ادب میں اسلامی عناصر کو ادبی جہت دینے اور اس کی شناخت کو پوری دنیا میں عام کرنے میں اولین کردار ادا کرنے والے ادیب ابو الحسن علی ندوی کہتے ہیں: ''حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اسے پسند کیا جائے، بلبل کو آپ پابند نہیں کرسکتے کہ اس پھول پر بیٹھے، اس پھول پر نہ بیٹھے۔ یہ کہاں کا حسن مذاق اور کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی مے خانے کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے، اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں؟ کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمو اور جلوہ نمائی کے لیے مسجد کا سہارا لیا؟ بقول اقبال:

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟[۴]

---

[۲] محمد نور الإسلام، الأدب الإسلامي ( التعريف والنشأة والخصائص - شبكة الألوكة
https://www.alukah.net/literature_language/0/47058/%D8%A7%D9%84%D8%A3%D8%AF%D8%A8-

[۳] ڈاکٹر مامون فریز جرار، اسلامی افسانوی ادب، تعلیق و ترجمہ: ڈاکٹر طارق ایوبی، ہادیہ میگزین، مئی ۲۰۲۴ء۔

[۴] ماخذ سابق

**عربی ادب میں اسلامی عناصر: ایک ادبی حقیقت کا آغاز:** نیپولین بوناپارٹ کے ذریعے سنہ ۱۷۹۸ میں مصر پر حملے کے بعد جدید ادبی نشاۃ ثانیہ کے آغاز سے ہی متعدد مسلمان مصنفین اور ادباء سر گرم ہوئے اور اسلامی نقطۂ نظر سے جدید عربی ادب میں نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلے میں ہمیں تمام ادبی شعبوں، بشمول شاعری اور نثر، میں نظریاتی اور عملی طور پر گہرا تعاون اور عظیم کوششیں ملتی ہیں۔ ان شخصیات میں سر فہرست ہیں: مصطفی صادق الرافعی، سید قطب اور ان کے بھائی محمد قطب، عبدالرحمٰن رأفت باشا، ڈاکٹر نجیب الکیلانی، ابوالحسن علی ندوی، علی الطنطاوی، مصطفی السباعی اور ڈاکٹر عماد الدین خلیل، وغیرہم۔

عربی ادب میں اسلامی عناصر ایک ادبی حقیقت کے طور بیسویں صدی کے نصف آخر میں میں منصۂ شہود پر پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوا۔ جب عرب دنیا اور بر صغیر ہند و پاک میں اسلامی عناصر کا رواج ایک ادبی تحریک میں تبدیل ہوا تو مسلم مصنفین اور ادباء کی ایک بڑی تعداد نے بے پناہ قربانیوں اور عظیم کوششوں کے ذریعے اس قلعے کی مضبوطی اور ترقی میں اپنا کردار ادا کیا۔ انہوں نے اس ادبی تحریک کو آگے بڑھایا اور ایک نئی نسل اس میں شامل ہوئی جس کی وجہ سے اس صنف کی سر گرمیاں مربوط اور منظم ہوئیں۔ اس نسل کی سر کردہ شخصیات میں ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح، ڈاکٹر عبد الباسط بدر، سید محمد رابع حسنی ندوی، ڈاکٹر عدنان رضا النحوي، ڈاکٹر ولید قصاب، ڈاکٹر الطاہر محمد علی، اور محمد احمد حمدون اور دیگر ہم عصر ادیب، شاعر اور نقاد شامل ہیں جن میں سے کئی آج بھی اسلامی عربی ادب کو رائج کرنے اور اسلامی ادب کے کتب خانے کو اپنے گراں قدر ادبی کاموں سے مالا مال کرنے اور تمام ادبی فنون و اصناف میں اپنے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ دیگر اسلامی فنون کے ساتھ ساتھ مختصر کہانی، ناول، ڈرامہ، ادبی مضمون، تقریر، خطوط، سوانح عمری، سفر نامے، تحریر و تصنیف، بچوں کا ادب اور دیگر اسلامی نثری فنون کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام پا رہی ہیں[۵]۔

**عربی ادب میں اسلامی عناصر: عصر حاضر کے تناظر میں :** جدید دور میں عربی ادب میں اسلامی

---

[۵] صادق حسین، بیسویں صدی میں اسلامی ادبی تحریک، بنگلہ دیش رابطہ ادب اسلامی، ا جنوری ۱۹۷۰، چٹا گانگ یونیورسٹی، بنگلہ دیش پی ایچ ڈی کے لئے پیش کردہ مقالہ۔

عناصر کو با قاعدہ ادبی ساخت اور ادبی شناخت دینے والے ادیبوں میں اسلامی اسکالر شیخ ابوالحسن علی الندوی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "مختارات من أدب العرب" [۶] کے مقدمہ میں اس جانب توجہ دلائی۔ اس کے بعد مصری ادیب و نقاد سید قطب نے اپنی کتاب "فی التاریخ: فكرة ومنهاج" [۷] میں اس صنف کے بارے میں تفصیل سے ادب کا نظریہ اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا۔ اس کے بعد محمد قطب نے اپنے بھائی سید قطب کی دعوت کو مدلل کرتے ہوئے اور ان کے خیال کی وضاحت اور تائید کرتے ہوئے "منہج الفن الإسلامی" نامی کتاب لکھی جس میں انہوں نے عربی ادب میں اسلامی عناصر کے خدوخال کی وضاحت کی۔

اس ضمن کی ابتدائی کتابوں میں "الإسلامية والمذاهب الأدبية" ہے جسے ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ۱۹۶۳ میں شائع کیا۔ اس میں نظریہ اور عمل کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نے مصر اور دیگر مقامات کے مصنفین اور اسکالرز کے لیے ایک وسیع میدان کھول دیا۔

اگر ہم معاصر عربی ادب میں اسلامی عناصر کی موجودگی اور اس سلسلے میں لکھی گئی تحقیقات کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں متعدد اسلامی ادب اور اس کے مسائل سے متعلق مختلف موضوعات کا احاطہ ملے گا۔ یہ فہرست کافی طویل ہے۔ اس میں تخلیقی اور نظریاتی دونوں کام شامل ہیں۔

ڈاکٹر عماد الدین خلیل کی "فی النقد الإسلامی المعاصر"، اس میدان میں ایک اہم کام شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ "نظرات فی الأدب" از ابوالحسن علی حسنی ندوی؛ "نحو مذهب إسلامي فی الأدب والنقد" از ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت الباشا اور ڈاکٹر عبدالباسط بدر کی کتاب "مقدمة لنظرية الأدب الإسلامي"، اس میدان کی نمایاں خدمات میں شامل ہیں۔

اس کے علاوہ کچھ اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

۱- ڈاکٹر عماد الدین خلیل، مدخل إلى نظرية الأدب الإسلامي ۔

۲- ڈاکٹر احمد محمد علی، الأدب الإسلامي ضرورة۔

۳- ڈاکٹر محمد بن سعد بن حسین، الأدب الإسلامي بين الواقع والتنظير۔

---

[۶] مختارات من أدب العرب، پہلا اڈیشن ۱۹۴۰ء۔

[۷] سید قطب، دار الشروق، ۱۹۷۴۔

۴- ڈاکٹر علی صبح، الأدب الإسلامي بين النظرية والتطبيق۔

۵- ڈاکٹر عدنان علی رضا النحوی، الأدب الإسلامي: إنسانيته وعالميته۔

۶- ناصر بن عبد الرحمن بن ناصر الخنين، الالتزام الإسلامي في الشعر۔

۷- ڈاکٹر مصطفیٰ علیان، نحو منهج إسلامي فی الشعر ونقده۔

۸- محمد الرابع ندوی،الأدب الإسلامي وصلته بالحياة۔

۹- واضح رشید ندوی، أدب الصحوة الإسلامية۔

۱۰- ڈاکٹر صابر عبد الدائم، الأدب الإسلامي بين النظرية والتطبيق۔

۱۱- ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمن الربیع، من آداب الشعوب الإسلامية۔

۱۲- ڈاکٹر سعد ابو الرضا، النص الأدبي للأطفال: رؤية إسلامية۔

۱۳- ڈاکٹر محمود حسن زینی، دراسات في أدب الدعوة الإسلامية۔

۱۴- ڈاکٹر عبد الرحیم زلط، التأثير النفسي للإسلام في الشعر ودوره في عهد النبوة۔

۱۵- ڈاکٹر حسین علی محمد، القرآن ونظرية الفن۔

۱۶- احمد محمود مبارک،ومضات إسلامية في الشعر العربي المعاصر [۸]

## رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل: عربی ادب میں اسلامی عناصر کا سنگ میل

عربی ادب میں اسلامی مزاج رکھنے والے اور اپنی تحریروں میں اسلامی عناصر اور اسلامی شناخت کی طرف دعوت دینے والے ادباء اور شعراء کی معتد بہ تعداد ابتدا سے ہی پائی جاتی تھی لیکن اس سلسلہ میں کوئی باضابطہ تحریک اور ادبی رجحان جو دیگر ادبی رجحانات کے شانہ بشانہ کھڑا ہو سکے، نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں کئی ادباء متفکر نظر آتے تھے اور اپنی تحریروں کے ذریعے اس طرح کی تحریک کے وجود کے احساس کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے جس ادیب نے اس صنف کی بنیاد رکھی وہ ہمارے ہی ملک کے نامور ادیب مولانا ابوالحسن علی ندوی ہیں۔ محققین کے درمیان اس بات کو لیکر کئی آراء ہیں کہ اس تحریک کا بانی کس شخصیت کو قرار دیا جائے لیکن رابطہ ادب اسلامی کے اولین صدر ہونے کے ناطے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

---

(۸) صادق حسین، بیسویں صدی میں اسلامی ادبی تحریک، بنگلہ دیش رابطہ ادب اسلامی، ا جنوری ۱۹۷۰ء۔

رحمۃ اللہ علیہ کو اس ادبی رجحان کی خشت اول رکھنے کا سہرا دیا جاسکتا ہے۔ وہ درحقیقت ادب میں اسلامی عناصر اور اسلامی فکر کے شعوری وجود کے مؤسس تھے اور اس پودے کو پروان چڑھانے میں ان کی تحریروں اور افکار کا حصہ بنیاد رکھنے کے مانند ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی دعوت پر ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں اسلامی ادب کا پہلا سیمینار منعقد ہوا، جس میں عالم عرب کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے چنندہ ادباء وشعراء شریک ہوئے، اور اسی کے نتیجہ میں ادب اسلامی کی اس عالمی انجمن کی تشکیل ہوئی۔ پھر اس فکر نے ترقی کی اور عرب ادباء نے اس کا استقبال کیا۔ اس کا تذکرہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی خود نوشت سوانح حیات "کاروان زندگی" میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> خاص طور پر یہ بات فکر و دعوت اسلامی کے حاملین کے لیے تشویش کا باعث تھی کہ بلاد عربیہ، بالخصوص مصر میں، تقریباً نصف صدی سے ادب و تنقید اور نوجوانوں کو ذہنی و ادبی غذا پہنچانے کے میدان پر اُن ادباء اور اہل قلم کی اجارہ داری قائم تھی جن کے عقائد میں خود تزلزل، ذہن میں انتشار اور تحریروں میں تشکیکی رجحان پایا جاتا تھا۔ اس لیے ایک طرف اس کی ضرورت تھی کہ عربی ادب کے خزانۂ عامرہ سے وہ طاقتور اور دل آویز ادبی و تحریری نمونے نکالے جائیں اور ان کو نمایاں کیا جائے، جن کو سہولت پسندی اور قدیم مؤرخین ادب کی پیروی میں نظر انداز کر دیا گیا، یا اس قصور میں کہ وہ کسی عالم و داعی اور دینی شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں، ان کو "ایوان ادب" سے دور کر دینے یا الگ رکھنے کی سزا دی گئی اور صدیوں ان پر پردہ پڑا رہا۔
>
> دوسری ضرورت اس کی تھی کہ ادب عربی کے ایسے اساتذہ، اہل قلم اور دانشوروں کو جمع کیا جائے جو عربی ادب و انشاء اور تنقید و تاریخ ادب کو صحیح رخ پر لگانے کی کوشش کریں، اور جدید نسل کو صالح غذا پہنچانے کے لیے ایک نیا ذخیرۂ کتب (مکتبہ) اور ایک نیا مدرسۂ فکر (مکتب خیال) پیدا کر سکیں۔ [۹]

اس سفر کی داستان اور اس کے اولین راہروں پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ:

> رابطہ کے قیام کے اصل محرک و داعی امام محمد بن سعود یونیورسٹی کے شعبۂ ادب کے صدر ڈاکٹر عبدالرحمن رأفت الباشا تھے، جنہوں نے ادباء کی ایک مجلس میں پہلی ملاقات کے موقع پر

---

[۹] کاروان زندگی، مکتبہ اسلام، لکھنؤ، ۱۹۹۱، ۳۲۸/۲-۳۳۰۔

کئی سال پہلے ریاض میں مجھ سے یہ کہا تھا کہ ادب اسلامی کے نقطۂ نظر سے اور ادب عربی میں اسلامی عناصر کو تلاش اور اجاگر کرنے کے لیے ادب عربی اور عربی زبان کے اسلامی کتب خانہ کو دوبارہ کھنگالنے اور اس کا از سر نو جائزہ لینے کا خیال سب سے پہلے آپ کی کتاب "مختارات" کے مقدمہ اور اس مضمون سے پیدا ہوا جو آپ نے المجمع العلمي العربي دمشق کا رکن منتخب ہونے پر سنہ ۱۹۵۷ء میں لکھا تھا، اور وہ "المجمع" کے سہ ماہی رسالہ میں شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر باشا نے خود سالہا سال سے اسی لائن پر کام شروع کر رکھا تھا اور کئی مجموعے مرتب کر کے شائع کر چکے تھے۔ اسی نقطۂ نظر سے وہ اپنے طلبہ کو ڈاکٹریٹ کے مقالوں کی تیاری کے لیے مشورہ دیتے تھے۔ اس طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ ادب اسلامی کا ایک ذخیرہ منظر عام پر آ گیا۔ [۱۰]

غرض یہ کہ مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے جنوری ۱۹۸۶ء میں رابطہ ادب اسلامی کی پہلی کانفرنس ندوۃ العلماء میں منعقد ہوئی جس میں رابطہ کے دستور کو منظوری دی گئی اور اس طرح رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی مجلس امناء کا پہلا جلسہ استنبول ترکی میں جون ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوا، پھر مجلس امناء کے جلسے مدینہ منورہ، قاہرہ، عمان (اردن)، فاس (مراکش) اور استنبول وغیرہ میں منعقد ہوتے رہے۔

ہندوستان میں رابطہ ادب اسلامی کی شاخیں دہلی، حیدر آباد، بھوپال، اورنگ آباد، پونہ، ممبئی، جمبوسر گجرات، بھٹکل، کیرالا، بنگلور، کلکتہ، پٹنہ، رانچی، الہ آباد، رائے بریلی اور غازی پور وغیرہ میں ہیں اور ادب اسلامی کے تعلق سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ [۱۱]

**عربی ادب میں اسلامی موضوعات:** عربی ادب میں اسلامی عناصر کی ترجمانی کرنے والے اور اس ادبی تحریک کو اپنے لوح و قلم سے سینچنے والے ادباء کا یہ ماننا ہے کہ ان کا ادب ایک مثبت، متحرک اور ترقی پذیر ادب ہے۔ اور اس صنف میں یہ خصوصیات اسلامی تصورِ حیات کی وجہ سے ہی پائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ادب انسان کے اندر سربلندی اور ارتقا کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اسے اٹھ کھڑے ہونے اور اعلیٰ مقام تک پہنچنے کی ترغیب دیتا ہے، اس میں تبدیلی اور اصلاح کی قوت کو پروان چڑھاتا ہے اور یوں انسان کو مثبت اور فعال بناتا ہے۔

---

[۱۰] کاروان زندگی، ۳/۷۲-۲۸۔

[۱۱] کاروان ادب، رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل، عالمی رابطہ ادب اسلامی، لکھنؤ، ۶ اپریل ۲۰۲۱۔ https://karwaneadab.in/%D8%B1%D8%A7%D8%A8%D8%B7%DB%81-%D8%A7%D8%AF%D8%A8-

لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اسلامی ادب صرف انسان کے مثبت پہلو ہی کو بیان کرتا ہے، بلکہ یہ فرد، معاشرے اور پوری امت بلکہ پورے سماج اور تمام انسانیت میں پائی جانے والی کمزوریوں اور گراوٹ کو بھی موضوع بناتا ہے، ان کی تصویر کشی کرتا ہے اور ان کا علاج پیش کرتا ہے۔ تاہم اس صنف کے ادیبوں اور مصنفین کے نزدیک انسانی سماج میں پائی جانے والی یہ کمزوریاں بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہوتیں اور نہ وہ اس کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں، جیسا کہ بعض دوسرے ادبی نظریات کے حامل ادباء کا خیال ہے، اور نہ وہ ان کمیوں ماحولیاتی، سماجی اور معاشی عوامل کی بنیاد بنا کر اس صورتحال کا جواز پیش کرتے ہیں اور نہ اس کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی اقدار و روایات کے حامل افراد ایک تربیتی ادب پیش کرتے ہیں کیونکہ ایسے ادباء کے نزدیک ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماج میں پائی جانے والی برائیوں کی اصلاح کرنے کی فکر کریں۔ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب کی اس صنف کے دائرے سے ہر وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جو شر، تشدد، فحاشی یا اخلاقی و عملی پستی کی دعوت دیتی ہے۔ اگر ہم موجودہ ماحول اور اس میں در آنے والی خرابیوں، بگاڑ اور اخلاقی بے راہ روی کا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہو گا کہ اس پستی، بگاڑ اور انتہائی خرابی کا اولین ذمہ دار ادبی صلاحیت کا غلط استعمال ہے، اس لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ادبی صلاحیت اور طاقت کو جس کے دائرۂ کار اور اثر انگیزی کو موجودہ ذرائع ابلاغ نے بہت وسیع کر دیا ہے، اس کے فطری رخ کی طرف واپس لایا جائے اور اس سے انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل اور اس کی عزت و حرمت بحال کرنے کا کام لیا جائے۔

اسلامی افکار و نظریات کا حامل ادب نہ تو غموں، تکلیفوں اور آنسوؤں کا ادب ہے اور نہ ہی یہ منفی کیفیات جیسے اضطراب، مایوسی، محرومی اور جدوجہد سے دست برداری کے احساسات کو فروغ دیتا ہے۔ بلکہ اس ادب کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ قاری کو مثبت اور پر امید کرتا ہے اور پریشان حال، مایوس، گنہگار اور بیمار انسانوں کو تسلی دے کر اور ان کا ہاتھ تھام کر انہیں ایک نئی امید، مسکراہٹ اور خوشی کی دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔

اس صنف ادب کے مخالفین یہ دعوی کرتے ہیں کہ اسلامی ادب کا دائرہ محدود اور موضوعات

کم ہیں۔ لیکن اس کے حاملین اس دعوے کی نہ صرف نفی کرتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ادب کے میدان نہایت وسیع ہیں اور وہ انسانی وجود کی تمام حقیقتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اسلامی ادب محض وعظ و نصیحت کا ادب نہیں ہے بلکہ اس کا موضوع اسلامی احکام، تاریخ اور شخصیات اور دنیا کے دوسرے تمام مسائل کا امکانی احاطہ ہو سکتا ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ادب کے موضوعات اسی طرح لامحدود ہیں جس طرح دوسرے ادبی رجحان کے حامل ادباء کے سامنے موضوعات کی کوئی قید و بند نہیں ہوتی ہے۔ اس فکر کا حامل ادیب ان میں سے جس موضوع کو چاہے منتخب کر سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ موضوع اسلامی تصوراتِ کائنات، زندگی اور خیر و شر سے متصادم نہ ہو۔ کیونکہ اسلامی تصور ہی وہ تصور ہے جو انسان اور کائنات کی فطرت سے ہم آہنگ ہے، اور جو تصور اس سے ٹکراتا ہے وہ گمراہ اور باطل ہے۔

محمد قطب اس بارے میں کہتے ہیں: ”مسلمان ادیب ہر فن پارے میں تناسب، زاویوں اور اثرات کے انتخاب میں آزاد ہے، بشرطیکہ وہ قرآن کے عظیم تصورات کے عمومی دائرے سے باہر نہ نکلے“[۱۲]۔

عبدالرحمن رأفت الباشا کہتے ہیں کہ اس ادب کا موضوع نہایت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ یہ انسان کی محبتوں، آرزوؤں، امیدوں، دکھوں، خوبیوں اور خامیوں، دنیا اور آخرت سمیت سارے موضوعات بیان کرتا ہے۔ یہ زندگی کی خوشیوں، مصیبتوں اور اقدار کو سمیٹتا ہے، کائنات کی خشکی و تری، زمین و آسمان اور فطرت کے تمام مناظر — پرندوں، جانوروں، بہار کی خوبصورتی اور سردیوں کے طوفانی مناظر — سب کو اپنے دامن میں لے لیتا ہے۔

اسلامی ادب کے داعی ادیبوں کے لیے دروازے پوری طرح کھول دیتے ہیں تاکہ ان کا ادب ہر موضوع کو سمیٹ سکے، اور یہ خصوصیات اسلامی ادب کو دوسرے ادبی مکاتبِ فکر سے ممتاز کرتی ہیں، اور جب اسلامی ادب کا تقابل مغربی ادبی نظریات سے کیا جائے تو دونوں کے درمیان

---

[۱۲] ڈاکٹر معراج احمد، جدید عربی ادب میں اسلامی رجحان، نقیب الھند (عربی مجلہ)، اکتوبر-دسمبر ۲۰۲۲۔

نمایاں فرق واضح ہو جاتا ہے۔[۱۳]

معاصر عربی ادب میں اسلامی عناصر اور موضوعات پر قلم اٹھانے والے ادباء، شعراء اور مصنفین پر ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے والے فلسطینی ادیب پروفیسر احمد الجدع ہیں جنھوں نے "معاصر عربی اسلامی ادباء کی انسائیکلوپیڈیا" تیار کی جو ۲۰۰۸ میں شائع ہو کر مشہور خاص و عام ہو چکی ہے[۱۴]۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا نام ادہم شرقاوی کا بھی ہے جن کی تحریریں اردو قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں اور ان کی کئی کتابوں کا اردو ترجمہ شائع ہو کر دادو تحسین حاصل کر چکا ہے۔

ان کے علاوہ عصر حاضر میں ایسے بے شمار ادباء، شعراء، ناول نگار اور نقاد موجود ہیں۔ ان میں کئی نمایاں شخصیات شامل ہیں جو عربی زبان وادب میں اسلامی عناصر، موضوعات اور اسلامی اقدار کو بہت قرینے سے پیش کرتے ہیں، ان میں شاعر اور نقاد محمد المقرن، ماہر لسانیات محمد حسن الطیان، اور شاعر محمد حسن بریغش کے علاوہ محمود علی الفلاحی، محی الدین الخیاط، اور محمد مصطفیٰ ہدّارۃ (م:۱۹۹۷)۔

خلاصۂ کلام یہ کہا جاسکتا ہے کہ عربی ادب میں اسلامی عناصر، موضوعات، افکار اور اقدار کی ترجمانی کرنے والے ادباء کا ایک تسلسل نبی کریم ﷺ کے زمانے سے پایا جاتا ہے اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں یہ تحریک باقاعدہ طور پر ایک ادبی رجحان میں تبدیل ہوئی اور دیکھتے دیکھتے اس کے ثمرات نہ صرف عالم عربی اور برصغیر ہند و پاک میں دیکھے گئے بلکہ جہاں جہاں بھی عربی زبان وادب سے شغف رکھنے والے اور اس زبان میں لکھنے والے ادباء اور مصنفین پائے جاتے ہیں وہاں وہاں اس ادبی رجحان کی ترجمانی ملتی ہے۔

---

[۱۳] ماخذ سابق

[۱۴] أحمد الجدع ،معجم الأدباء الإسلاميين المعاصرين، دار الضياء، كويت ، ٢٠٠٨

# ہند، ایران علمی رشتہ: تصانیف شبلی کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
رفیق اعزازی، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ
azmi408@gmail.com

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے غیر معمولی تحقیقی و تصنیفی کارناموں نے نہ صرف ہند و پاک بلکہ بعض دیگر ممالک کے مسلمانوں کی بھی توجہ حاصل کی اور براہ راست یا تراجم کے ذریعے ان کے اثرات قبول کئے اور ان سے بعض اہل علم نہایت متأثر ہوئے۔ ان کتب میں علامہ شبلی کی "الفاروق" اور "سیرۃ النبیؐ" کے ساتھ پانچ حصوں پر مشتمل ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "شعر العجم" بھی شامل ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت اور عظمت کا اعتراف ہند و پاک اور افغانستان کے علاوہ ایران بلکہ یورپ کے بھی بعض اہل قلم اور ناموران علم و ادب نے کیا ہے۔ اس کی تفصیل گرچہ مختلف پیرایۂ بیان میں ناچیز کی تصنیف "تصانیف شبلی کے تراجم" میں آچکی ہے تاہم خاص ایران کے اہل علم و صاحب کمال اور وہاں کے علمی حلقوں میں شبلی اور تصانیف شبلی کی مقبولیت کے تناظر میں ان کا یکجا مطالعہ ضروری معلوم ہوا۔ یہ مقالہ اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

علامہ شبلی کی ایک زبان فارسی بھی تھی۔ وہ اس پر اس درجہ قدرت اور دسترس رکھتے تھے کہ جب چاہتے نثر لکھتے اور جب چاہتے شاعری کرتے۔ مختلف اصناف سخن مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، قطعات، نعت اور غزلیات وغیرہ پر مشتمل ان کا فارسی کلیات دارالمصنّفین اور خانۂ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے مختلف مجموعہ ہائے کلام ان کی زندگی میں مختلف ناموں مثلاً مجموعہ نظم، دیوان فارسی، دستۂ گل، بوئے گل وغیرہ اور بعد از وفات برگ گل اور غزلیات شبلی وغیرہ ناموں سے شائع ہوئے اور اپنے عہد میں ارباب شعر و ادب کی نگاہ میں نہایت مدح و ستائش کے مستحق قرار پائے اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔

علامہ شبلی فارسی شعر و ادب کی تاریخ پر نہایت گہری، باریک اور عالمانہ نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ

انہوں نے اس کی مفصل تاریخ اور عہد بہ عہد کے ارتقاء کی تفصیل شعر العجم کے نام سے پانچ جلدوں میں قلم بند کی۔ اس تاریخ ادبیات ایران نے نامور اہل علم وادب کو خاص طور پر متأثر کیا، چنانچہ شعر العجم اور علامہ شبلی کی دیگر کتب کے متعدد فارسی تراجم ایران کے اہل علم کے قلم سے نکلے اور بہت مقبول ہوئے۔

شعر العجم نہ صرف علامہ شبلی کا عظیم الشان ادبی کارنامہ ہے بلکہ ہماری ادبی تاریخ کا نہایت روشن باب بھی ہے۔ یہ کتاب دراصل عالمی ادب کا حصہ ہے۔ فارسی شعر وادب پر ایسی معرکہ آرا کتاب اب تک ہندوستان میں کیا ایران میں بھی نہیں لکھی جاسکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد تصنیف سے لے کر اب تک یہ کتاب اہل علم کی آنکھوں کا نور بنی ہوئی ہے۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا کے مصنف پروفیسر ای. جی براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء) اس کی عظمت کے معترف ومداح تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب کے بعض مباحث میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ان کی تمنا تھی کہ کاش شعر العجم فارسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو جاتی۔[۱]

پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن کی یہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ ایران اور افغانستان میں شعر العجم کی نہ صرف تمام جلدوں کا ترجمہ شائع ہوا بلکہ بعض جلدوں کے ایک سے زاید ترجمے شائع ہوئے۔

ایران کے بعد ہندوستان فارسی شعر وادب کا دوسرا بڑا گہوارہ تھا۔ علامہ شبلی اس گہوارۂ علم وادب کے آخری سپہ سالار تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) مرزا غالب (۱۷۹۷-۱۸۶۹ء) پر نہیں بلکہ علامہ شبلی پر ہوا[۲]۔ زیر نظر مقالے میں ایرانی اہل قلم اور دانشوروں کے تصانیف شبلی کے تراجم کی تفصیلات اور ان کی مقبولیت وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

**سید محمد تقی فخر داعی گیلانی:** فارسی شعر وادب پر جس قدر گہری نگاہ علامہ شبلی کی تھی ان کے معاصرین میں شاید ہی کسی اور کی رہی ہو۔ یہی سبب ہے کہ ایرانی مصنّفین اور مترجمین کے درمیان تصانیف شبلی بے حد مقبول ہوئیں۔ ایرانی اہل علم ودانش نے ان کی عظمت کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ ان کے تراجم کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ ان میں سر فہرست ایرانی شبلی شناس، نشان ایران،

---

[۱] ماہنامہ معارف نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ شذرات سلیمانی ج۱، ص۸۷

[۲] کاروان خیال، ص: ۹۴، مدینہ پریس بجنور، ب-ت۔

فخر المحققین سید محمد تقی فخر داعی گیلانی (۱۸۸۱-۱۹۶۴ء) (وزارت معارف، تہران) کا نام آتا ہے، انہوں نے اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ تصنیفات شبلی کے ترجمہ واشاعت میں صرف کیا۔

سید محمد تقی فخر داعی گیلانی، جدید مطالعات اور دعوت وتبلیغ کے لئے ۱۹۱۰ء میں بمبئی وارد ہوئے۔ یہاں وہ انجمن دعوت اسلامی سے وابستہ رہے اور ہندوستان میں تقریباً پندرہ برس مقیم رہے۔ یہاں انہوں نے اردو اور انگریزی سیکھی۔ اندور کے کسی کالج میں چار برس تک عربی و فارسی اور حکمت وفلسفہ کے استاذ رہے۔ بمبئی میں وہ بہت سے اہل علم سے ملے، جن میں ایک نمایاں نام علامہ شبلی نعمانی کا ہے۔ ان سے وہ اس قدر متأثر ہوئے کہ زندگی کا ایک بڑا حصہ شبلی شناسی میں صرف کر دیا۔ ۱۹۲۵ء کے بعد وہ ایران واپس گئے اور وزارت معارف وعلوم سے وابستہ رہے۔ ادارہ معارف خوزستان کے پہلے سربراہ ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا۔شبلی شناسی کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی وہ متعدد علمی کام کرتے رہے۔ انہوں نے انگریزی اور اردو کی کئی اور کتابوں کے بھی ترجمے کئے۔ انہوں نے دانیال دیفو، گستاولی بان، امیر علی، سرپرسی سائیکس کی کتابوں اور سر سید احمد خاں کی تفسیر کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا۔ چنانچہ داعی اسلام اور فخر المحققین کے خطاب سے نوازے گئے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں وزارت فرہنگ ایران نے ان کو 'نشان ایران' سے سرفراز کیا۔ ۱۹۶۴ء میں تہران میں انتقال کیا اور شہر قم میں تدفین ہوئی۔ (۳)

سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے علامہ شبلی نعمانی کی درج ذیل کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے: الجزیہ، الکلام، رسائل شبلی، سوانح مولانا روم، شعر العجم (پانچوں جلدیں) علم الکلام، کتاب خانہ اسکندریہ، مقالات شبلی وغیرہ۔

**الجزیہ:** یہ علامہ شبلی نعمانی کا بڑا محققانہ مقالہ ہے۔ اسی تحقیق سے وہ میدان تحقیق وتدقیق میں اولاً ایک معتبر مصنف قرار پائے۔ ان کی دیگر کتب کی طرح اس کو بھی فارسی میں منتقل کیا گیا۔ علامہ شبلی کی تصانیف کے مشہور فارسی مترجم سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے یہ ترجمہ ایران میں کیا اور وہ تہران سے ۱۳۱۵ھ ش میں شائع ہوا۔

**الکلام:** علامہ شبلی کے مشہور سلسلۂ کلامیہ کی پہلی تصنیف "الکلام" کو سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے

(۳) مجلہ بازیافت لاہور، ص ۱۰-۱۱

'تاریخ علم کلام' کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا جو ۱۹۴۹ء میں شرکت چاپ رنگیں تہران ایران سے شائع ہوا۔

**رسائل شبلی:** یہ علامہ شبلی کے علمی، تاریخی اور تحقیقی مقالات کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ ان کے مقالات کا واحد مجموعہ ہے جسے انہوں نے خود مرتب کر کے ۱۸۹۸ء میں شائع کرایا تھا۔ بعد ازاں اس کے متعدد ایڈیشن مصنف کی زندگی میں اور بعد از وفات بھی شائع ہوئے۔ ۲۰۱۴ء میں شبلی صدی کے موقع پر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ نے بھی اس کا بڑا خوب صورت ایڈیشن شائع کیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں دارالمصنّفین قائم ہوا تو علامہ شبلی کی اور کتابوں کے ساتھ مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی کے مقالات کو آٹھ جلدوں میں موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دے کر شائع کیا، جسے اس وقت سے آج تک دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ مسلسل شائع کر رہا ہے۔ لیکن 'رسائل شبلی' کی اپنی ایک الگ اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنے مضمون میں اس کی صراحت کی ہے، البتہ اس کی دیگر تفصیلات انہوں نے پیش نہیں کی ہیں۔ (۴)

**سوانح مولانا روم:** علامہ شبلی نعمانی ایم اے او کالج علی گڑھ سے مئی ۱۸۹۸ء میں مستعفی ہو کر ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد پہنچے اور سررشتۂ علوم وفنون کے ناظم مقرر ہوئے۔ وہاں انہوں نے اور بہت سے علمی وادبی کاموں کے ساتھ سلسلۂ کلامیہ کی تصنیفات کا آغاز کیا۔ "سوانح مولانا روم" اس کی ایک کڑی ہے۔ یہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں مولانا روم کی سوانح حیات اور ان کے فکر وفلسفہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مثنوی معنوی کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ مثنوی معنوی بھی علم کلام کے مباحث پر مبنی ہے۔ اس کتاب کو بھی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے 'سوانح مولوی روم' کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔ وہ ۱۹۵۴ء/ ۱۳۳۲ھ ش میں شرکت چاپ رنگین تہران سے شائع ہوا اور ۱۶۱/ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۷۵ش میں دنیائے کتاب تہران نے شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۲۱۲ ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن میں تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ دنیائے کتاب تہران سے اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں

---

(۴) بازیافت ۲۷ (شبلی نمبر) ڈاکٹر محمد کامران، اورینٹل کالج، لاہور، جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۱۰

شائع ہوا ہے جس کے صفحات کی تعداد ۳۷۰ رہے۔

سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اس پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں علامہ شبلیؒ کے حالات و سوانح کے ساتھ ان کی تصنیف "سوانح مولانا روم" پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ شبلی کے مزاج و مذاق، طرز معاشرت اور وضع قطع، انکسار اور فروتنی کے بارے میں بھی بڑی اہم اور دلچسپ معلومات سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے 'سوانح مولانا روم' کے بارے میں سید محمد تقی فخر داعی گیلانی کے خیالات یوں قلم بند کئے ہیں:

> شبلی نے کتاب مذکور میں گہرے مسائل و مباحث کو اس قدر سادہ اور روشن اسلوب میں حل کر دیا ہے اور اس مہارت سے کہ گویا ہر بھید سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ ان حقائق و معارف کو اس قدر شیریں، جالب اور جاذب اسلوب میں سمو دیا ہے کہ میرا قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ انہوں نے حیات رومی کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا اور گویا ایسے علمی رازوں کو فاش کر دیا جو اب تک ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ اس خدمت پر شبلی در حقیقت ہمارے سپاس و قدردانی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔[۵]

**شعر العجم:** علامہ شبلی کی تصنیف شعر العجم اپنے موضوع پر ایک شاہکار تصنیف ہے۔ علامہ شبلی نے ہندوستان میں بیٹھ کر فارسی شاعری کی ایسی لازوال ادبی تاریخ لکھ دی ہے جس کی عظمت کا اعتراف متعدد ایرانی ادباء و مؤرخین نے کیا ہے۔ مشہور ایرانی اہل قلم اور دانشور سعید نفیسی نے اس کی بلند پایگی کا اعتراف کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شعر العجم ہندوستان سے باہر کی دنیا میں بھی بے حد مقبول رہی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک و بیرون ملک اب تک اس کے پچاسوں ایڈیشن چھپ کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔ ایران، افغانستان اور تاجکستان میں بھی شعر العجم شائع ہوئی ہے۔ "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کے مصنف پروفیسر ای-جی- براؤن (E.G.Browne) اس کی خوبیوں کے معترف تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اس سے استفادہ کیا اور اس کی عظمت کا اعتراف بھی کیا۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ کاش شعر العجم فارسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو جاتی؟ ان کی یہ تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ شعر العجم کے تمام حصوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور ایران اور افغانستان دونوں ممالک کے ادیبوں نے نہایت دلچسپی سے کیا۔ ایرانی اہل قلم

---

[۵] ماخذ سابق، ص ۱۶

کے تراجم کی تفصیل یہ ہے:

**حصہ اول:** شعر العجم حصہ اول میں فارسی شاعری کی تاریخ اور اس کی ابتدا، عہد بہ عہد کی ترقیاں، خصوصیات اور اس کے اسباب و علل سے مفصل بحث کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ منتخب شعراء کا مفصل تذکرہ اور ان کی شاعری پر تقریظ اور تنقید لکھی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے کیا جو ۱۳۱۶ھ ش میں کتب خانہ ابن سینا تہران سے شائع ہوا۔ اس کے ۲۶۹ر صفحات ہیں۔ ابن سینا تہران نے ۱۳۳۹ش میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ حصہ اول کا ایک اور ایڈیشن دنیائے کتاب تہران نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ اسے طبع سوم بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس کے مفصل مقدمے میں سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے شعر العجم کے ساتھ علامہ شبلی کے اجمالی حالات اور ان کے افکار و خیالات پر روشنی ڈالی ہے اور علامہ شبلی سے اپنے گہرے تعلق کا بھی اظہار کیا ہے۔ خاص شعر العجم کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> اگرچہ فارسی شاعری تنہا دنیا کی شاعری کے مقابل کھڑی کی جاسکتی ہے مگر یہ کہ اس شاعری کا آغاز کب ہوا، اس کے ظہور کے علل و اسباب کیا تھے، اس نے ارتقا کے مرحلے کیسے طے کئے، اس میں مرور وقت کے ساتھ پیدا ہونے والے تغیرات کیا تھے اور سماجی حالات و واقعات نے اس کو کس طرح متأثر کیا، یا قوم کی سیاسی و سماجی صورت حال پر اس کا کیا اثر ہوا۔ ان امور کے حوالے سے مسلم زبانوں میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ شبلی نے شعر العجم کی چوتھی جلد میں ان امور کا مفصل اور تازہ جواب مہیا کیا ہے۔[۶]

سنہ ۱۹۱۰ء میں علامہ شبلی نعمانی سے بمبئی میں ان کی ملاقات ہوئی اور دونوں کچھ دنوں تک ساتھ رہے۔ اس ملاقات کی تفصیل انہوں نے لکھی ہے، جس کی روداد انہی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

> اس دوران مشہور دانشور شبلی نعمانی سیر و سیاحت کے لئے بمبئی آئے۔ اتفاق سے اسی محلے میں ورود فرما ہوئے جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرا کمرہ ان کی اقامت گاہ سے متصل تھا۔ چوں کہ میں نے اس بزرگوار کی شہرت پہلے سے سن رکھی تھی، لہٰذا چاہتا تھا کہ فوراً ان کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔ میری نگاہ ایک ایسے وجود پر پڑی جو صاف ستھرے لباس اور جبہ و قبہ میں ملبوس تھا اور اس سے عظمت اور معرفت کے آثار نمایاں تھے۔ انہوں نے بڑی محبت اور مہربانی سے

---

[۶] بحوالہ بازیافت لاہور شبلی نمبر ص ۱۶

مجھے اپنے نزدیک بٹھایا۔ کافی دیر تک مجھ سے مختلف موضوعات پر شگفتہ روئی اور بشاشت کے ساتھ گفتگو کی۔ اس زمانے کے ایران کے انقلاب مگر ساتھ ساتھ پر آشوب حالات بھی زیر بحث آئے۔ وہ ایران میں مشروطیت کے نتیجے میں پارلیمنٹ کے قیام پر بڑے خوش تھے مگر آذربائیجان کے افسوس ناک احوال وواقعات پر دل گرفتہ بھی تھے۔ کہنے لگے میں اس وقت لکھنؤ میں تھا اور میں نے آذربائیجان میں ہونے والے مظالم کے خلاف ایک جلسہ برپا کر کے اپنی آواز بلند کی تھی اور اخبارات کو تار دیے تھے۔[۷]

سید محمد تقی فخر داعی گیلانی کا ایک اور تاثر ملاحظہ ہو:

اگرچہ ان کی عمر اس وقت کوئی زیادہ نہیں تھی لیکن تحریر ومطالعہ کی کثرت کے باعث شکستہ اور بوڑھے دکھائی دیتے تھے۔ تاہم ان کا روحانی نشاط حیرت انگیز تھا۔ ظرافت اور لطف بیان میں بے نظیر تھے۔ شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کے وجود کو اچھا شعر ہر شے سے زیادہ متاثر کرتا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دن اثنائے ملاقات میں نے حافظ کے یہ شعر پڑھے:

مشکل خویش بر پیر مغاں بردم دوش
کو بہ تائید نظر حل معما می کرد!

(کل رات میں اپنی مشکل ایک پیر مغاں کے پاس لے گیا۔ جو اپنی نظر کی تائید سے معمہ حل کر دیتا تھا۔ )

دیدمش خرم و خنداں قدح بادہ بدست
وندر آں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد

(میں نے اسے خوش اور مسکراتے ہوئے دیکھا، ہاتھ میں مئے کا جام تھا۔ اور وہ اس جام میں سیکڑوں طرح کے نظارے دیکھ رہا تھا۔)

گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم
گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

(میں نے دریافت کیا: یہ دنیا دکھانے والا جام تمہیں حکیم نے کب دیا؟۔ اس نے کہا: اس دن جب یہ نیلا گنبد بنا رہا تھا۔)

میں نے دیکھا کہ ان پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور وہ اس کیفیت میں جھوم رہے تھے۔

---

[۷] بحوالہ بازیافت لاہور، شبلی نمبر ص ۱۳۔ علامہ شبلی کے اس سیاسی جلسہ کی روداد دستیاب نہیں ہوئی۔

پھر تبسم کیا اور فرمایا: ”اگر مجھے پورا ایران بھی دیدیا جائے تو مجھے وہ مسرت اور کیف حاصل نہ ہو گا جو ان تین شعروں سے حاصل ہوتا ہے“۔[۸]

ڈاکٹر تحسین فراقی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی اور ان کے تصانیف شبلی کے تراجم پر اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

داعی گیلانی نے شبلی کی جن کتب و رسائل کے ترجمے کئے، ان کی افادیت، گہرائی اور نکتہ طرازی کے وہ بے حد مداح تھے۔ شعر العجم کی پہلی جلد کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ایک معاصر ادیب کا قول ہے کہ ہر اچھی کتاب کو کم از کم تین بار ضرور پڑھنا چاہئے۔ پھر فرانسس بیکن کا مشہور قول نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کتابوں کو محض چکھنا چاہئے اور بعض کو ایک ہی بار میں نگل لینا چاہئے، مگر چند کتابیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں مکمل طور پر چبانا چاہئے۔ یعنی اس کے ہر ہر جز کو نہایت دقت نظر سے اور سمجھے سمجھے مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہماری نظر میں شبلی کی شعر العجم بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے کہ اس کے تمام اجزا کو گہری نظر سے غیر جانب دار ہو کر اور نہایت بے تعصبی کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔[۹]

حصہ اول کے فارسی ترجمے کی اطلاع جب دارالمصنّفین پہنچی تو مولانا سید سلیمان ندوی نے قارئین معارف کو یہ مژدہ ان الفاظ میں سنایا:

ناظرین کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ مولانا شبلی کی ’شعر العجم‘ کو یہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ خود عجم کی نگاہوں میں وہ اس قابل ٹھہری کہ اس کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ ایک ہندی کے لئے یہ کس قدر فخر کا موقع ہے کہ اس کی تصنیف خود اہل زبان کے نزدیک معیار استناد ٹھہرے۔ آقائی سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج نے اطلاع دی ہے کہ فاضل محترم آقائی فخر داعی وزارت معارف طہران نے، جو اردو بھی جانتے ہیں، شعر العجم کی پہلی جلد کا ترجمہ تمام کیا ہے۔[۱۰]

**حصہ دوم:** شعر العجم حصہ دوم میں خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ شیرازی اور ابن یمین تک کے نامور شعرائے فارسی کا تذکرہ اور ان کی شاعری پر نقد و تبصرہ لکھا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی ہی نے کیا، جو ۱۳۱۷ھ ش میں کتب خانہ ابن سینا تہران ایران سے شائع

---

[۸] ماخذ سابق، ص ۱۶

[۹] ماخذ سابق، ص ۱۵

[۱۰] سید سلیمان ندوی، شذرات سلیمانی حصہ دوم، ص ۳۶۲، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۱۹۹۷ء

ہوا۔ یہ ترجمہ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

**حصہ سوم:** شعر العجم حصہ سوم میں علامہ شبلی نے فغانی شیرازی سے ابوطالب کلیم تک شعراء کا تذکرہ اور ان کی شاعری پر تقریظ و تنقید لکھی ہے۔ اس کو بھی ان کے ایرانی دوست سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے فارسی زبان میں منتقل کیا۔ یہ ۱۳۱۴ھ ش میں کتب خانہ ابن سینا تہران سے شائع ہوا۔ صفحات کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ کتب خانہ ابن سینا تہران نے ۱۳۱۴ھ ش میں دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۲۵۴/ ہے۔ اس جلد میں مشہور ایرانی مصنف سعید نفیسی کا مقدمہ شامل ہے، جس میں انھوں نے علامہ شبلی کی وسعت معلومات اور تحقیق و تجزیہ کی مدح وستائش کی ہے اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھیں فارسی شعر وادب کا زبردست نکتہ شناس قرار دیا ہے۔

**حصہ چہارم:** شعر العجم کے چوتھے حصہ میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ ایران کی آب و ہوا، فضا، تہذیب و تمدن، معاشرت اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر ڈالا اوران سے شاعری میں کیا کیا تغیرات واقع ہوئے۔ اس کے ساتھ ہر دور کی خصوصیات اور شاعری کے انواع واقسام پر مفصل تقریظ و تنقید ہے۔ اس کے فارسی مترجم بھی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی ہیں۔ ۱۳۱۴ھ ش میں کتب خانہ ابن سینا تہران سے حصہ چہارم بھی شائع ہوا۔ یہ ۲۳۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ ابن سینا نے ۱۳۳۶ھ ش میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جو ۲۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

**حصہ پنجم:** اس حصے میں قصیدہ، غزل، اور فارسی زبان کی عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری پر نقد و تبصرہ ہے۔ اس کا بھی فارسی ترجمہ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے کیا۔ اس کے پہلے ایڈیشن کو ۱۳۳۰ھ ش میں کتب خانہ ابن سینا تہران ایران نے شائع کیا۔ صفحات کی تعداد ۲۳۶ ہے۔ اس ترجمے کی اشاعت پر مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا:

> مولانا شبلی مرحوم کو اپنی زندگی میں شاید اپنی کتاب شعر العجم کی اس مقبولیت کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ ایک طرف وہ پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران کا آخری ماخذ بنے گی اور دوسری طرف خود وہ ملک، جس کی ادبی تاریخ اس میں لکھی گئی ہے، اس کی اتنی قدر کرے گا کہ اس کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا اہتمام کرے گا۔ شعر العجم کی پانچویں جلد، جو ان کی تحقیقات کا خلاصہ ہے، اور ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی، فارسی میں ترجمہ ہو کر طہران میں چھاپی گئی ہے۔

آقائی محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔[11]

شعر العجم کے مذکورہ تراجم کے طبع اول و دوم کے اکثر نسخے راقم کی نظر سے گذرے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فخر داعی گیلانی نے نہایت دیدہ ریزی سے ترجمہ کیا ہے۔

ترجمے کا حق انھوں نے ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن شبلی شناسی کا حق ضرور ادا کر دیا ہے۔ ان ترجموں پر انھوں نے جو مقدمے اور دیباچے لکھے ہیں اس میں انھوں نے نہ صرف شعر العجم کی تعریف و تحسین کی ہے بلکہ علامہ شبلی کی نقادانہ بصیرت اور فارسی شعر و ادب پر ان کی گہری نگاہ، ژرف بینی اور نکتہ شناسی کی کھل کر داد دی ہے اور تفصیل سے ان کے حالات اور کمالات کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمے کا آغاز ان الفاظ میں کیا ہے:

شبلی نعمانی یکے از نویسندگان نامی و مبرز قرن حاضر ہندوستان است کہ بواسطہ جنبہ تاریخی و فلسفی و نیز احاطہ ای کہ بادبیات معاصر دارد در میان خواص ہر مملکتی خاصہ ترکیہ، سوریہ، مصر، حجاز، افغانستان معروف است۔[12]

(شبلی نعمانی دور حاضر کے ہندوستان کے ایک نامور اہل قلم ہیں۔ وہ اپنے تاریخی، فلسفیانہ نیز ادبی کمالات کی وجہ سے تمام ممالک بالخصوص ترکی، شام، مصر، حجاز اور افغانستان کے اہل علم میں معروف ہیں)۔

شعر العجم کے یہ تراجم تہران کے مشہور ناشر کتب خانہ ابن سینا نے شائع کئے۔

**شعر العجم کا سیریلیک ایڈیشن:** سیریلیک ایک رسم الخط کا نام ہے جو علاقہ ماوراء النہر تاجکستان اور اس کے قرب وجوار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ روسی زبان بھی اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ شعر العجم کے فارسی ترجمے کا ایک ایڈیشن سیریلیک رسم الخط میں تاجکستان سے شائع ہوا۔ اس رسم الخط میں شعر العجم کو کس شخص نے منتقل کیا، اس کا ذکر سرورق پر نہیں کیا گیا ہے۔

شعر العجم کا سیریلیک ایڈیشن دو الگ الگ حصوں میں شائع ہوا۔ حصہ اول کے صفحات کی تعداد ۵۴۴/ ہے اور دوسرے حصہ میں ۵۷۶/ صفحات ہیں۔ یہ مطبعہ دانش گاہ دولتی آموزگارے صدرالدین عینی تاجکستان سے شائع ہوا۔ اسے مرکز تحقیقات استر تزیک تاجکستان سے حاصل

---

[11] شذرات سلیمانی حصہ سوم، ص۲۴۷

[12] شعر العجم یا ادبیات منظوم ایران، ج۲، مقدمہ مترجم

کیا جاسکتا ہے۔

**علم الکلام:** علامہ شبلی نے ریاست حیدرآباد میں سر رشتہ علوم وفنون کی نظامت کے زمانہ میں سلسلہ کلامیہ لکھا۔ اس کے تحت انہوں نے الکلام کے سوا ایک اور کتاب علم الکلام بھی لکھی۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا تاریخ علم کلام جدید کے نام سے سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے فارسی میں ترجمہ کیا جو ۱۳۲۸ھ ش مطابق ۱۹۵۰ء میں شرکت چاپ رنگین تہران سے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ ۱۷۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن شرکت چاپ رنگین تہران ہی سے ۱۳۳۰ھ ش/ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ اس کا طبع دوم ۲۳۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ مترجم نے اس میں مصنف کے حالات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن ایران کے مشہور پبلشر 'اساطیر' نے بھی ۱۳۸۶ھ ش میں شائع کیا۔ یہ بھی ۲۳۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔

**کتب خانہ اسکندریہ:** متعصب عیسائی مؤرخین نے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب کی ذات گرامی کو مطعون کر رکھا تھا کہ انہوں نے فتح اسکندریہ کے موقع پر وہاں کے مشہور اور قدیم کتب خانہ اسکندریہ کو جلا کر خاک کر دیا تھا۔ اس کے جواب میں علامہ شبلی نے یہ محققانہ مقالہ لکھا۔ اس لحاظ سے "کتب خانہ اسکندریہ" علامہ شبلی کا ایک اہم تاریخی اور محققانہ مقالہ ہے۔ علامہ شبلی کے اس مقالے کا آوازہ وشہرہ برطانیہ تک پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے اسے بھی فارسی زبان میں منتقل کیا۔ ۴۷ر صفحات پر مشتمل اس رسالے کو ۱۳۱۵ھ ش/ ۱۹۳۶ء میں کتب خانہ ابن سینا تہران نے شائع کیا۔ اس کے مفصل مقدمہ میں سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے لکھا:

> شبلی ہندوستان کے قرن حاضر کے نامور ادیب ہیں جو عصری علوم اجتماعی پر جامع تحریروں کے باعث تمام متمدن دنیا میں معروف ہیں۔ خاص طور پر مصر اور بیروت کی مطبوعات میں ان کا بڑی شان سے ذکر ملتا ہے۔ تاریخی، مذہبی اور ادبی مباحث پر مشتمل ان کی تصانیف سے استناد کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلستانی نے بھی متعدد مقامات پر ان کے کلمات سے استشہاد کیا ہے۔

شبلی نے چند رسالے مختلف موضوعات پر بھی تصنیف کئے جو "رسائل شبلی" کے نام سے موسوم

ہیں۔ انھی میں ایک رسالہ "کتب خانہ اسکندریہ" ہے، جس میں اسکندریہ کے قدیم کتب خانے کے جلائے جانے کا ذکر ہے اور جس کا ذمہ دار یورپی اقوام میں اب تک مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ شبلی اس موضوع کو زیر بحث لائے ہیں اور عصر حاضر کے تحقیقی اصولوں کو بروئے کار لا کر عقلی و نقلی شواہد کی روشنی میں اور خود یورپین لکھنے والوں کے اقوال کی مدد سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ عمل خود نصاریٰ کے مذہبی وسیاسی پیشواؤں کا کیا دھرا ہے۔........میں نے چند سال قبل بڑی دقت نظر سے اسے اردو سے فارسی میں ڈھالا..........اور اس کی تصحیح و تکمیل میں لگا رہا۔[۱۴]

ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنے مضمون میں علامہ شبلی کے مقالہ 'کتب خانہ اسکندریہ' کی اصل عبارت نقل کر کے فخر داعی گیلانی کے ترجمہ سے موازنہ کیا ہے۔ انہوں نے اسے کامیاب اور رواں لفظی ترجمہ بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر مجموعی حیثیت سے یہ بڑا کامیاب ترجمہ ہے۔[۱۵] "کتاب خانہ اسکندریہ" کے ایک ایڈیشن کے مطبع ارمغان تہران سے ۱۳۱۵ھ ش میں طبع ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

**مقالات شبلی:** یہ علامہ شبلی کے چند اہم مقالات "فلسفۂ اسلام" اور "تمدن اسلام" وغیرہ کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم سید محمد تقی فخر داعی گیلانی ہیں۔ مکتبہ علم تہران ایران نے ۱۳۶۱ھ ش میں شائع کیا۔ اس کی ضخامت ۲۰۶ر صفحات ہے۔

**مولانا ابوالحسین عبدالمجید مرادزہی خاشی (پ:۱۳۸۳ھ):** ایران کے دوسرے ممتاز عالم وادیب اور مصنف اور مترجم ہیں جنھوں نے تصانیف شبلی سے دلچسپی لی۔ ان کے قلم سے متعدد اردو کتابوں کے فارسی ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ انہوں نے کئی کتابیں ایڈٹ بھی کی ہیں۔ ان میں ایک کتاب مولانا عبدالرحمن ابن احمد جامیؒ کی "شرح مائۃ عامل" بھی ہے جو انتشارات فاروق اعظم زاہدان سے ۱۳۹۸ش میں شائع ہوئی۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۵۵۱- ۱۶۴۲ء) کی کتاب "اشعۃ اللمعات" کا ترجمہ بھی انہوں نے شائع کیا ہے۔

مولانا مرادزہی خاشی مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸۷۵-۱۹۵۲ء) کی مشہور زمانہ کتاب "تعلیم الاسلام" کو بھی فارسی جامہ پہنا چکے ہیں جو ۱۳۸۹ش میں انتشارات فاروق اعظم زاہدان

---

(۱۴) بازیافت ۲۷ (شبلی نمبر) ڈاکٹر محمد کامران، اورینٹل کالج، لاہور، جولائی- دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۱۱

(۱۵) بازیافت لاہور ص ۱۱

ایران سے چھپ کر شائع ہوئی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۸۹۸- ۱۹۸۲ء) کی 'حکایات الصحابہ' اور 'فضائل اعمال' کو بھی انہوں نے فارسی میں منتقل کیا ہے۔ 'حکایات الصحابہ' ۱۳۹۶ش میں اور 'فضائل اعمال' ۱۳۸۷ش میں شرکت کتاب شاہ محمد، کابل افغانستان سے شائع ہوئیں۔ 'فضائل اعمال' کا ایک ایڈیشن انتشارات فاروق اعظم زاہدان ایران سے بھی ۱۳۸۰ھ میں چھپا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۹۰۵-۱۹۹۷ء) کی معروف کتاب ''معارف الحدیث'' کی تمام جلدوں کا بھی انہوں نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر گذرا، علامہ شبلی نعمانی کی 'سیرۃ النبیؐ' جلد اول و دوم کا فارسی ترجمہ مولانا مرادزہی خاشی نے 'فروغ جاوداں' کے نام سے کیا، جسے انتشارات فروغ اعظم زاہدان ایران نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا تھا۔ ۲۰۱۰ء میں 'فروغ جاوداں' کا دوسرا ایڈیشن اور ۲۰۱۷ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس سے 'فروغ جاوداں' یعنی ترجمہ سیرۃ النبیؐ کی ایران میں مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ترجمۂ سیرت ہماری نظر سے گذرا ہے۔ گوگل پر اس کی پی ڈی ایف بھی دستیاب ہے۔ ضرورت ہے کہ سیرۃ النبیؐ کی دوسری جلدوں کا بھی وہ ترجمہ کردیں تاکہ ایران کے مشتاقان سیرت بھی اپنی تشنگی بجھاسکیں۔

توفیق ہاشم پور سبحانی (پ:۱۹۳۸ء) ایران کے نامور معاصر ادیب اور مشہور مصنف و محقق ہیں۔ فارسی میں ان کے قلم سے متعدد اہم کتابیں، تحقیق و تدوین اور تراجم نکل کر مقبول ہوچکے ہیں۔ ان کی کتابوں میں نقد شعر العجم شبلی نعمانی شامل ہیں۔

توفیق سبحانی کئی زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس میں ایک اردو بھی ہے۔ اسی واقفیت کے سبب وہ علامہ شبلی کی مشہور کتاب 'سوانح مولاناروم' اور حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰ - ۱۹۴۶ء) کی کتاب 'تنقید شعر العجم' کا ترجمہ بنام 'نقد شعر العجم' فارسی میں کرنے میں کامیاب ہوئے۔ 'سوانح مولاناروم' کا فارسی ترجمہ ۱۸۷/صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے مکتبہ 'علم' تہران ایران نے ۱۳۸۲ھ ش میں شائع کیا ہے۔ مترجم موصوف ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں ایک طالب علم کی حیثیت سے عرصہ تک مقیم رہ چکے ہیں۔

عبداللہ پالاساری نے ''الفاروق'' کا فارسی ترجمہ ''زندگی فاروق اعظم عمر بن خطاب'' کے نام سے کیا ہے، جو تہران ایران سے شائع ہوا ہے اور ۵۳۶/صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا

ایڈیشن ۱۳۹۱ھ ش میں شائع ہوا۔ یہ آن لائن بھی دستیاب ہے۔

ملا عبدالوہاب سربازی نے ''سیرۃ النعمان'' کو فارسی جامہ پہنایا۔ اسے ''سیمائی امام ابوحنیفہ'' کے نام سے اوائے اسلامی تہران نے ۱۳۸۶ش میں شائع کیا ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۰۴ ہے۔

گل محمد خاں زکریا فارسی زبان کے ادیب اور اہل قلم تھے۔ نامور محقق ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنے مقالہ ''علامہ شبلی کا ایک مداح و مترجم'' مطبوعہ مجلہ بازیافت لاہور نمبر ۲۷ (شبلی نمبر) میں احمد گلچیں معانی کی کتاب ''تاریخ تذکرہ ہائے فارسی'' کے حوالے سے ان کے ترجمہ ''شعر العجم'' کا ذکر کیا ہے۔[۱۶] اس کی مزید تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

علامہ شبلی کو ایران سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ اس کا سفر بھی کرنا چاہتے تھے۔ کئی بار ارادہ کیا لیکن وہ ایران نہ جا سکے، البتہ ان کی علمی و ادبی تصنیفات ایران ضرور پہنچیں اور سچ یہ ہے کہ اہل علم وادب کے دلوں پر چھا گئیں۔ فخر داعی گیلانی کے تراجم سے خطۂ فارس میں شبلی کی عظمت کا ڈنکا بجا اور بعد کے متعدد نامور ایرانی اہل قلم نے اپنی کتابوں میں شبلی اور شعر العجم کا والہانہ ذکر کیا۔ علامہ محمد علی مدرس نے ''ریحانۃ الادب'' میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> علامہ شبلی نعمانی چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان کے علمائے اسلام میں تھے۔ انھوں نے اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور وہ زمانہ کے حالات اور تقاضوں سے بہت باخبر تھے۔ فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی تصنیفات میں (۱) انتقاد تاریخ التمدن الاسلامی جرجی زیدان جو قاہرہ میں چھپی ہے، (۲) تاریخ عمر بن خطاب (الفاروق) اور (۳) کتاب الجزیہ ہیں جو ہندوستان میں چھپی ہیں۔ ۱۳۳۲ھ میں انتقال ہوا۔[۱۷]

مشہور ایرانی مصنف سعید نفیسی نے 'شعر العجم' کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے:

> فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب ہمیشہ رہنما اور روشنی ثابت ہوگی کیونکہ شبلی نے اپنی کتاب میں اپنی نقادانہ موشگافیاں اور مہارت ظاہر کر دی ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ شخص جو ایران سے بہت دور ہو اور جس نے ایران کی سرزمین پر کبھی قدم نہ رکھا ہو اور نہ ہی اسے اہل زبان کے ساتھ صحبت میسر رہی ہو، وہ اس زبان کے رموز سے اس قدر آشنا اور اس کی

---

[۱۶] بازیافت ۲۷ (شبلی نمبر) ڈاکٹر محمد کامران، اورینٹل کالج لاہور، جولائی- دسمبر ۲۰۱۵ء ص ۱۸

[۱۷] ریحانۃ الادب کتاب فروشی خیام، تہران ۱۳۴۶ھ، طبع دوم، ج ۳ ص ۱۸۳،

مشکلات کے بارے میں اپنی صائب رائے کس طرح دے سکا[۱۸]۔

ان کے علاوہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، احمد گلچیں معانی، توفیق سبحانی، علی اصغر حکمت وغیرہ نے بھی شبلی اور شعر العجم سے دلچسپی لی اور اپنی کتابوں، ترجموں اور مضامین میں مدح وستائش کی ہے۔[۱۹]

فارسی زبان کے ایک اور دائرۃ المعارف لغت نامہ دھخدا میں بھی علامہ شبلی کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی مؤرخ، ادیب، مصنف شاعر ومحقق اور ہندوستان کے اسلامی مصلح، برہمن نژاد تھے۔ ان کی اوپر کی تیرہویں پشت میں شیوراج سنگھ اسلام لائے جو سراج الدین کے نام سے موسوم ہوئے۔ اعظم گڑھ ضلع کے گاؤں بندول میں ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لئے رام پور، لاہور اور سہارنپور کا سفر کیا، پھر حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۰۰ھ میں دانش گاہ علی گڑھ میں ادبیات کی تدریس پر مامور ہوئے۔ زبان وادب کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کو عربی وفارسی زبان پر عبور تھا۔ ان کے کارناموں میں شعر العجم، انتقاد تاریخ تمدن اسلامی، جزیہ اور مجلہ معارف ہیں۔ ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی[۲۰]۔

اس تذکرہ میں اگرچہ بعض غلطیاں درآئی ہیں مثلاً علامہ شبلی برہمن الاصل کی بجائے راج پوت نسل سے تھے اور مجلہ معارف ان کی وفات کے بعد شائع ہوا وغیرہ، تاہم یہ خود بڑی اہم بات ہے کہ فارسی زبان وادب کے تذکروں میں اردو کے مایہ ناز ادیب وانشاء پرداز اور عالم و مؤرخ کی عظمت کا ذکر بار بار اور نمایاں طور پر ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ایرانی اہل قلم نے شبلی شناسی کا حق ادا کر دیا۔ شبلی جس قدر ایران میں مقبول ہوئے اور جس قدر اہل فارس نے ان کی قدر دانی کی اس کی مثال پورے عالم اسلام میں مشکل ہی سے ملے گی۔ فخر داعی گیلانی کے علاوہ بھی متعدد ایرانی اہل قلم نے شبلی شناسی میں نمایاں کردار ادا کیا، لیکن شبلی شناسی کی تاریخ میں جو مقام فخر داعی گیلانی کو حاصل ہے اس کا کوئی ہم سر نہیں۔

---

[۱۸] مقدمہ شعر العجم فارسی ترجمہ، تہران، ج۳

[۱۹] ا- دکتر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات درایران، تہران۔ ۲- احمد گلچیں معانی، کاروان ہند، ج اول، مشہد ۱۳۶۹ش، ۳۔ ج: توفیق سبحانی، نگاہی بتاریخ ادب فارسی در ہند، تہران؛ ۴۔ علی اصغر حکمت، از سعدی تا جامی، تہران، ۱۳۳۷ش

[۲۰] لغت نامہ دھخدا- اشارہ مسلسل ۳۷، تہران ۱۳۴۰ش

# مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا مطالعۂ سیرت

کلیم صفات اصلاحی
رفیق دارالمصنّفین

دارالمصنّفین کی بنیاد سیرت کی بے لوث خدمت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے مقصد سے رکھی گئی۔اس کا سب سے مہتم بالشان کارنامہ سیرت النبیؐ کی سات جلدوں میں طبع واشاعت ہے۔ رحمت عالم، خطبات مدراس، دین رحمت جیسی مستند اور مقبول کتابیں بھی اس ادارے نے شائع کیں۔ ان کتابوں سے ہٹ کر رفقائے دارالمصنّفین کے سیرت سے متعلق درجنوں مقالات معارف میں شائع ہوئے۔معارف میں شائع شدہ سیرت پر مقالات کی اہل علم کے درمیان بڑی وقعت و اہمیت ہوتی ہے کیونکہ ان میں اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ زیر بحث موضوع میں سیرت کے کسی پہلو پر اگر کسی مستشرق یا غیر مسلم مفکر کا کوئی اعتراض ہو تو اس کا جواب اس میں آجائے۔اس کے علاوہ دارالمصنّفین نے اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر بھی ایک نہایت کامیاب بین الاقومی سیمینار ۱۹۸۲ء میں کرایا جس کا بنیادی مقصد اسلامیات، بالخصوص سیرت نبویؐ، پر کیے گئے بے بنیاد اعتراضات کا تحلیل و تجزیہ کرنا تھا۔ اس میں عالم اسلام کے فضلاء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی تھی۔اس سیمینار کی شہرت عالم اسلام کے علاوہ مغرب تک پہنچی۔ اس کے بعد ایک عرصے تک اس موضوع پر کوئی کتاب تو منظر عام پر نہیں آئی تاہم معارف میں رفقائے دارالمصنّفین کے مضامین نکلتے رہے اور دارالمصنّفین اپنے اس محبوب موضوع سے کبھی غافل نہیں رہا۔ اسلام اور مستشرقین پر سیمینار کے بعد ۲۰۱۰ء میں ”مصادر سیرت“ کے موضوع پر ایک انٹرنیشنل سیمینار اور ”حضور اکرمؐ کی مکی زندگی“ کے موضوع پر ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۴ء میں دو نیشنل سیمینار منعقد ہوئے جس کے مجموعہ ہائے مقالات شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔۲۰۲۵ء میں روایات سیرت نبویؐ (بلاذری کے حوالے سے) کے نام سے سیرت پر ایک نئی کتاب شائع ہوئی۔اس طرح اس ادارے نے سیرت پر تسلسل کے ساتھ کام کیا۔اس خاص علمی منظر نامے اور

ماحول کے سبب یہاں کے اکثر رفقاء کی تحریروں میں سیرت سے خاص دلچسپی نظر آتی ہے۔ سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ان فضلائے دارالمصنّفین میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا نام شامل ہے۔ انہوں نے دوسرے موضوعات میں مصروفیت کے باوجود نہ صرف سیرت کا پرچم بلند رکھا بلکہ اس چراغ ہدایت سے اپنی تحقیقی راہوں کو مستنیر اور دوسرے شائقین سیرت کی فکر میں اجالا کرتے رہے۔

**مولانا اصلاحی کو سیرت کے موضوع سے شغف:** مولانا ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنّفین سے ۱۹۵۷ء میں بہ حیثیت رفیق وابستہ ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں ادارے کی نظامت سے سرفراز ہوئے۔ پوری زندگی ادارے کی خدمت میں گذار دی اور قرآن وحدیث، تذکرہ وسوانح، تعلیم وتعلم، ادب وتاریخ کے موضوعات پر ناقابل فراموش کتابیں تصنیف کر کے ادارے کی گل بدامانی میں اضافہ کیا۔ مذکورہ موضوعات کے علاوہ حسب موقع وضرورت سیرت پر بھی گراں قدر تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھے۔ سیرت پر ان کے کام اور مطالعے کی متعدد نوعیتیں ہیں۔ مثلاً ایک تو سیرت کی بعض اہم عربی اور اردو کتابوں پر ناقدانہ مقالات تحریر کیے۔ دوسرے "سیرۃ النبی" حصہ اول تا ہفتم کے ڈیلکس اور جدید ایڈیشن کی اشاعت سے قبل ان کے حوالوں کی تخریج ومراجعت کا فریضہ انجام دیا۔ ساتھ ہی ان جلدوں میں متعدد مقامات پر قیمتی اضافے بھی کیے۔ ان کے اس کام میں راقم سطور کو بھی معاونت کا شرف حاصل رہا۔ تیسرے سیرت کے موضوع پر ایک عرب عالم استاذ نذیر حمدان کی تصنیف "الرسولؐ فی کتابات المستشرقین" کے بعض حصوں کو اردو قالب عطا کیا۔ ان کے یہ مترجمہ مضامین پہلے معارف میں، اس کے بعد اسلام اور مستشرقین کے نام سے مطبوعہ جلد پنجم میں شائع ہوئے۔ اس کا مجملاً ذکر آئندہ سطور میں حسب موقع کیا جائے گا۔

ایک اہم کام جو ان کی خواہش کے باوجود بوجوہ منظر عام پر نہ آسکا وہ ڈاکٹر محمد اسماعیل ندوی مدراسی کے عربی ترجمۂ "سیرۃ النبی" (حصہ اول) کے مسودے کی تصحیح ہے جو انہوں نے سابق رفیق دارالمصنّفین مولانا محمد عارف عمری اور راقم سطور کے ساتھ مل کر کی تھی۔ یہ مسودہ سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کے زمانے میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی کی کوششوں سے دارالمصنّفین بہت پہلے آیا تھا۔ سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نے اس کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمت میں اشاعت کے مقصد سے پیش کیا لیکن اس کی اشاعت عمل میں نہ آسکی۔ پھر لکھنؤ میں ادب اسلامی

کے ایک سیمینار میں قطر کے وزیر او قاف عبد اللہ ابراہیم انصاری تشریف لائے اور اس کی اشاعت کا بار اپنے سر لینے کی پیشکش کی لیکن اس کے بعد بھی شائع نہ ہو سکا اور وزیر موصوف کا انتقال ہو گیا۔ جب مولانا اصلاحی ناظم ہوئے تو اس کی اشاعت کا منصوبہ بنایا لیکن جب مسودے پر نظر ڈالی تو پایا کہ اس کو ٹائپ رائٹر سے لکھا گیا تھا جس کے حروف کی سیاہی ایک عرصہ گزرنے کی وجہ سے اڑ گئی تھی۔ اس لئے کمپوزر کو دینے سے پہلے انہوں نے مٹے ہوئے حروف پر سیاہی پھیر کر عبارتوں کو صحیح کیا۔ اس دوران انہیں بہت سے مقامات پر اصل مآخذ کا سہارا بھی لینا پڑا۔ مولانا نے اس کی کمپوزنگ کا کام شروع بھی کرا دیا تھا لیکن مالی دشواریوں کے سبب یہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ چونکہ مولانا نے اس پر اچھی خاصی محنت کی تھی، اس لیے یہاں اس خالص علمی کام کا ذکر ایک شاہد کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ مولانا نے "سیرۃ النبی" کے اس عربی ترجمے کو اپنی محنت سے لائق کتابت بنا دیا تھا۔ اس سے سیرت کے اس عربی ترجمے سے متعلق ان کی فکر مندی اور دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کو فن سیرت اور کتب سیرت سے شروع سے ہی مناسبت رہی۔ اس موضوع پر ان کا مطالعہ بہت عمیق تھا۔ انہوں نے اس موضوع پر مستقل کوئی تصنیف تو نہیں کی تاہم سیرت پر ان کے مقالات اور سیرت النبیؐ کی متعدد جلدوں پر ان کے ناقدانہ جائزہ و استنباط نتائج سے یہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہے کہ ان میں ایک اچھے اور نمایاں سیرت نگار کے جملہ اوصاف و خصائص میں موجود تھے۔

اب بعض کتب سیرت پر ان کے مقالات، ترجموں، اور "سیرۃ النبیؐ" کے حوالوں کی تخریج و مراجعت کے ان کے اہم کام کا مجملاً تعارف پیش ہے:

**کتاب الشفاء کا ناقدانہ جائزہ:** قاضی عیاض اندلسی کی "کتاب الشفاء"، کا شمار سیرت کی اہم اور جلیل القدر عربی تصانیف میں ہوتا ہے۔ ابن قیم کی "زادالمعاد" اور یہ کتاب شہرت و مقبولیت میں ہم پلہ اور مولانا کے بقول یہ دونوں کتابیں مضامین کی نوعیت، ندرت، اثر آفرینی اور دلنشینی وغیرہ کے اعتبار سے بڑی اہم ہیں۔ مولانا نے جب "کتاب الشفاء" کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تو اس کے ناقدانہ جائزے پر معارف میں چار قسطوں (جنوری تا اپریل ۱۹۸۰ء) میں ایک مفصّل مضمون قلم بند کیا۔ اس مضمون کو علماء بالخصوص شائقین سیرت نے بہت پسند کیا اور اپنی کتابوں اور مضامین

میں اس کے حوالے دیے۔ مولانا نے آج سے ۴۵سال قبل اس کا مفصل جائزہ اس وقت لیا تھا جب اردو میں اس پر بہت کم بلکہ نا کے برابر لکھا گیا تھا۔اس کے تعارف میں مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں:

"کتاب الشفاء" سیرت کی عام کتابوں سے مختلف انداز میں لکھی گئی ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت، آپؐ کی معجزانہ سیرت و شخصیت، بلند اوصاف و محامد اور پاکیزہ اخلاق وعادات کو پیش کر کے دکھایا گیاہے کہ رسول اللہؐ تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ اور ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک تھے۔اس لیے آپؐ ہی کی ذات گرامی تمام انسانوں کے لیے قابل اتباع اور لائق تقلید ہے اور آپؐ کے لوگوں پر گوناگوں حقوق عائد ہوتے ہیں۔جولوگ ان حقوق کی ادائیگی میں کمی اور کوتاہی کرتے ہیں وہ ہر طرح کی دنیوی اوراخروی سزا کے مستحق ہیں۔ ان مباحث کو قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں بیان کیا گیاہے اورآیات واحادیث کی تشریح ووضاحت کے لیے سلف کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں[1]۔

مولانا نے ان چاروں قسطوں میں جن جلی عناوین کے تحت جائزہ لیا ہے ان میں آنحضورؐ کی بشریت، نبوت کے وقت ہی سے آپؐ کا توحید پر جزم واعتقاد، نبوت سے قبل آنحضرتؐ کی عصمت، دینی و دنیوی معاملات کے بارے میں آپؐ کی باخبری، اقوال میں نبی کی عصمت، دنیوی عوارض، کتاب الشفاء اور قرآن مجید، کتاب الشفاء اور احادیث، فقہی وکلامی مسائل، کتب سیر وتاریخ، علمی نکات، شکوک وشبہات کا ازالہ، معلومات کی کثرت، ہندوستان، اس کی قوموں اور اشیاء سے واقفیت، اسلامی فرقوں اور دوسرے مذاہب وادیان سے واقفیت جیسے پر مغز عناوین درج ہیں۔ آخر میں "کتاب الشفاء" میں بعض تسامحات کی نشاندہی کی گئی ہے جس سے اس خاص موضوع پر مولانا اصلاحی کی عمیق نظر اور تنقیدی شعور کا علم ہوتا ہے۔

ان عناوین سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اس کتاب کے موضوعات ومباحث اور اس کے خصائص وامتیازات کا احاطہ کس قدر باریک بینی سے کیا تھا۔ اس کتاب میں سیرت کے بعض ایسے پہلوؤں کی جانب بھی نشان دہی موجود ہے جن کا تعلق بہ ظاہر سیرت سے نہیں ہے لیکن بغور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی عیاض نے ان پہلوؤں کے ذکر میں سیرت کا عنصر

---

[1] معارف، جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۳۰-۳۱

شامل کیا ہے۔ ان پر مولانا اصلاحی کی نظر پہنچی اور انہوں نے خاص طور پر اس کا ذکر اس جائزے میں کیا ہے۔ مثلاً ہندوستان اور اس کی بعض اشیاء کا تعلق سیرت سے اس طرح جوڑا کہ اس کا ذکر آپؐ کی زبان مبارک پر آیا۔ ایک حدیث (آپؐ کے لیے زمین سمیٹ دی گئی پس آپؐ کو اس کے مغارب و مشارق دکھائے گئے اور آپؐ کی امت کا ملک و اقتدار ان سب جگہوں تک پہنچ جائے گا جو آپؐ کے لیے سمیٹ دی گئی) کی تشریح میں قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت مشرق و مغرب میں سرزمین ہند اور مشرق اقصیٰ سے بحر طنجہ تک پھیل گئی۔ یا مثلاً آپؐ نے عود ہندی کے متعلق فرمایا کہ اس کے اندر شفاء کی سات چیزیں ہیں[۲]۔ اس سے قاضی عیاض نے یہ ثابت کیا کہ آپؐ کو ہندوستان اور اس کی بعض اشیاء کا علم تھا۔

مولانا نے اس مقالے، یعنی "کتاب الشفاء" کے جائزے میں، زیر بحث واقعے میں جہاں ابہام ہے وہاں حواشی میں ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں مزید توضیح و تشریح کی ضرورت ہے وہاں توضیح کی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ مثلاً قاضی عیاض نے جہاں مدعیان نبوت کے فرقوں کے نام لکھے ہیں وہاں ان کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ مولانا اصلاحی نے ہر فرقے کے متعلق مختصراً معلومات تحریر کی ہے۔ مثلاً عیسویہ، جرمیہ اور کمینیہ کے متعلق مولانا نے حاشیے میں اضافہ کیا کہ عیسویہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے جو عیسی ابن اسحاق اصبہانی یہودی کی طرف منسوب ہے۔ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور رسول اللہؐ کے متعلق اس کا خیال تھا کہ آپؐ صرف عربوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جرمیہ کے نزدیک نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے اور کمینیہ آنحضرتؐ کے بعد ساری امت کی تکفیر کا قائل ہے۔ یہ امت کو اس لیے کافر سمجھتا ہے کہ اس نے آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ نہیں بنایا اور حضرت علیؓ اس لیے کافر ہیں کہ وہ پہلے خلیفہ نہیں بنے اور انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اپنا حق طلب نہیں کیا[۳]۔

اس جائزے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ مولانا نے جہاں اس کتاب کے امتیازات و خصائص نقل کیے ہیں وہیں اس کے اندر موجود متعدد تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ اس نشاندہی

---

[۲] معارف، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۲۵۴

[۳] معارف، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۲۵۷

سے مولانا اصلاحی کے فن و کتب سیرت کے اندازِ مطالعہ اور ان کے درایتی نقطۂ نظر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ یہاں ان میں سے چند تسامحات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مولانا اصلاحی نے قاضی عیاض کے اس دعویٰ، کہ انہوں نے اس میں مستند حدیثیں نقل کی ہیں، کے متعلق لکھا ہے کہ صحت کے اس دعویٰ کے باوجود ان کی کتاب میں ضعیف روایتیں شامل ہیں۔ ایک تسامح یہ بتایا کہ مصنّف نے بے اصل تفسیری اقوال نقل کیے ہیں اور مرجح کے بجائے مرجوح اقوال بیان کیے ہیں اور مقالے میں اس کی متعدد مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مولانا اصلاحی کا یہ بھی کہنا ہے کہ کتاب الشفاء میں کہیں کہیں شاذ اور غیر معروف قراءتوں کا اعتبار بھی کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آخر میں مولانا کی یہ رائے ہے کہ ''کتاب الشفاء بہت مفید اور عظیم الشان کتاب ہے''[۴]۔

سیرتی ادب میں کتاب الشفاء کے مقام و مرتبہ کے متعلق مولانا اصلاحی کے اس مختصر جملے ''بعض امور و مسائل میں اہل علم سے بکثرت اقوال منقول ہیں۔ مصنّف نے بلاترجیح و محاکمہ سب اقوال تحریر کر دیے ہیں۔ اس سے عام قاری کے لیے رطب و یابس میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اقوال کی کثرت و تعداد میں الجھ کر رہ جاتا ہے''[۵]۔

**السیرۃ النبویہ کا جائزہ:** مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی سیرت کے موضوع پر عربی میں ایک کتاب ۱۹۷۷ء میں پہلی بار منظر عام پر آئی۔ اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن نکلے۔ اس کا ساتواں ایڈیشن قدرے ترمیم و اضافے کے بعد جب شائع ہوا تو مولانا اصلاحی نے معارف میں باب التقریظ والانتقاد کے تحت دو قسطوں (دسمبر ۱۹۸۸ء و جنوری ۱۹۸۹ء) میں مفصل تبصرہ کیا۔ تبصرے میں ایک جگہ مولانا اصلاحی اس کی وجہ تالیف کے متعلق لکھتے ہیں کہ سیرت کی نئی کتاب کی ضرورت واہمیت کے شدید احساس کے باوجود مولانا عرصے تک اس کی ترتیب و تالیف کے بارے میں متردّد رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا تو انہوں نے قدیم و جدید کتب سیرت کو پوری طرح کنگھالنے اور اس کے اولین و بنیادی مآخذ کتاب و سنت سے مکمل استفادہ کے بعد یہ کتاب لکھی جو رطب و یابس کا مجموعہ نہیں ہے[۶]۔ مولانا اصلاحی نے اپنی یہ رائے بھی لکھی ہے کہ

---

[۴] معارف، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۲۶۱-۲۶۲

[۵] معارف، اپریل ۱۹۸۰ء، ص ۲۶۲

[۶] معارف، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴۶۸

"مصنّف نے اس کا پورا خیال رکھا ہے کہ جو کچھ لکھیں نقد و تبصرہ اور بحث و تمحیص کے بعد لکھیں اور یہ کتاب علمی و دعوتی دونوں پہلوؤں کی جامع ہو"[۷]۔

مولانا اصلاحی نے اس تبصرے میں سیرت نبویہ کے دس امتیازات دکھائے ہیں اور درج ذیل جلی عناوین کے تحت ان خصائص کا احاطہ کیا ہے۔ سیرت کا عہد و ماحول کے متعلق معلومات، اختصار، رسول اللہؐ ایک داعی و مبلغ تھے، سیرت نبویؐ درس و پیام ہے، اسباب و نتائج پر بحث اور حکمت و مصلحت کی وضاحت، اثرات و نتائج پر بحث، علمی و تحقیقی بحثیں، شکوک و اعتراض کا ازالہ بعض معنی خیز عنوانات اور دسواں امتیاز نقشے۔

اس کتاب کا ایک امتیاز مولانا اصلاحی نے "اختصار" بھی بتایا ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ مؤرخین اور ارباب سیر نے ضعیف اور رطب و یابس روایات کا ایک انبار لگا دیا ہے مگر مولانا نے روایتوں اور عبارت آرائی سے تعرض کیے بغیر آپؐ کی ولادت کا حال بڑی سادگی اور اختصار سے صرف دو سطروں میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو: "آپؐ کی ولادت مبارکہ ۱۲/ ربیع الاول عام الفیل (۵۷۰ء) دوشنبہ کو ہوئی۔ یہ انسانی تاریخ کا سب سے سعید اور مبارک دن تھا"[۸]۔

مقصد تصنیف کے متعلق مولانا اصلاحی کی یہ رائے ہے کہ "مصنّف نے یہ کتاب صرف دعوتی اور تبلیغی مقصد سے نہیں لکھی ہے بلکہ اس کو عصری اسلوب اور علمی و تحقیقی معیار کے مطابق بنانے کی بھی پوری سعی اور کوشش کی ہے"[۹]۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں مولانا اصلاحی نے چند مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

سیرت نبویہ میں مولانا ندوی نے محققانہ حواشی لکھے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے ان حواشی کا ذکر بھی اپنے تبصرے میں کیا ہے[۱۰]۔ مشہور سیرت نگار پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے اس تبصرے پر یہ خیال ظاہر کیا ہے:

سید ابوالحسن علی ندوی کی عربی تالیف "السیرۃ النبویۃ" اور اس کے اردو ترجمہ "نبی رحمت" اور مختلف

---

[۷] معارف، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴۶۸

[۸] معارف، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴۷۱

[۹] ملاحظہ ہو: معارف، جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۷۰

[۱۰] ملاحظہ ہو: معارف، جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۷۳

طباعت پر مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے مؤلف گرامی کی مداحی اور کتاب کی تحسین و تعریف میں مبالغہ روا رکھا ہے۔ ابواب و مباحث کی تفصیل دینے کے علاوہ بعض خصائص کتاب جیسے مکہ و مدینہ کی شہری حیثیت، بعض الفاظ و اصطلاحات کی لغوی تحقیق اور شکوک و شبہات کا ازالہ اور واقعات سیرت سے عبرت و درس و موعظت کو پیش کیا ہے مگر کتاب کی سیرتی اغلاط و تسامحات اور تحقیق و تجزیۂ روایات کے فقدان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا کہ خیال خاطر شیخ مانع تھا[۱۱]۔

**"سیرۃ النبی" جلد سوم پر ایک نظر:** سیرۃ النبیؐ علامہ شبلی کا سب سے محبوب پروجیکٹ تھا جو انہوں نے اپنی زندگی کے اواخر میں شروع کیا تھا اور اس کی ابتدائی دو جلدیں لکھ چکے تھے لیکن تکمیل سے پہلے ہی اس کو اپنے تلمیذ رشید مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالے کر کے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ سید صاحب نے بقیہ جلدوں کو بہ حسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس سلسلے کی تیسری مگر سید صاحب کی تحریر کردہ پہلی جلد جس کا موضوع آنحضورؐ کے معجزات ہیں بڑی اہم ہے۔

مولانا اصلاحی نے معارف پہلے میں اس کا تین قسطوں (مئی تا جولائی ۱۹۸۶ء) میں مفصل تعارف کرایا۔ اس کے بعد اس پر کیے گئے اعتراضات کا مفصل جواب بھی لکھا۔ مولانا اصلاحی کے مطابق اس میں معجزات کی حقیقت، اس کے امکان و وقوع اور اس کی غرض و غایت پر قرآن مجید، احادیث، قدیم و جدید فلسفہ اور علم کلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور خارقِ عادت افعال اور معجزات کو عقلاً بھی محال اور مستبعد نہیں بتایا گیا ہے۔ پھر نبوت کے عام خصائص اور آنحضرت ﷺ کے معجزات و خصائص کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی کا کہنا ہے کہ اس کی ترتیب و تالیف، واقعات کی تلاش و تحقیق اور مسائل و مباحث کی بحث و تحقیق میں جو کاوش، دیدہ ریزی اور نکتہ آفرینی کی گئی ہے اس مضمون میں اس کی کچھ کچھ جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے[۱۲]۔

مولانا اصلاحی کے بیان کے مطابق "سیرۃ النبیؐ" کی تمام جلدوں کی ایک اہم خصوصیت ان کے نقطۂ نظر کی صحت و درستگی ہے۔ یہ جلد بھی اسی کی آئینہ دار ہے۔ عام لوگوں نے معجزات کو نبوت کے لوازم میں سمجھ لیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے آنحضرتؐ کی جانب بکثرت غلط باتیں بطور معجزہ منسوب ہیں۔ مولانا اصلاحی سید صاحب کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱۱] معارف، اپریل ۲۰۱۹ء، ۲۵۵

[۱۲] معارف، مئی ۱۹۸۶ء، ۳۴۹-۳۵۰

مولانا سید سلیمان ندوی نے غیر مستند روایات کی پرزور تردید کی ہے اور مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت پر مفصل بحث و نقد کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں مذکور ہیں جو صرف معجزات کے ذکر کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں نے معجزات کی جھوٹی روایتوں کا انبار لگا دیا ہے۔ انہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کو سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرف قبول بخشا ہے کہ ان کے پردے میں آپؐ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی [۱۳]۔

مولانا اصلاحی کی تحقیق کے مطابق سید صاحب "معجزات" کے لیے معجزہ کی اصطلاح کو صحیح نہیں مانتے اور اس کے لیے قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہیں مگر وہ معجزے کو یک قلم ترک کرنے کے حق میں بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح شق صدر کی رائج اصطلاح کے بالمقابل شرح صدر کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں [۱۴]۔

مولانا اصلاحی نے جلد سوم کی گوناگوں خوبیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالنے اور مختلف پہلوؤں سے اس کا تجزیہ کرنے کے بعد اس جلد پر بعض اعتراضات کا مفصل، ناقدانہ اور علمی جواب دیا ہے اور لکھا ہے کہ "سیرۃ النبی" کی تالیف میں صحت و استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس اصول کی بناء پر اس میں ضعیف اور موضوع روایتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ "سیرۃ النبی" کی جلدیں دراصل جدید علم کلام کی اساس اور بنیاد ہیں اور یہ ان اعتراضات و شبہات کے جواب میں لکھی گئی ہیں جو عقل پرستوں، مخالفین اسلام اور خصوصاً مستشرقین اور یورپ کے اسکالرز کی جانب سے اسلام اور سیرت پر کیے جاتے ہیں، اس لیے اس میں آیات و احادیث کی درست اور حقائق پر مبنی تاویل و توجیہ کی گئی ہے اور ایسا مدلل، سائنٹفک اور دلنشین اسلوب اختیار کیا گیا ہے جس سے معترضین کو تسلی و تشفی ہو جائے۔ ایسی صورت میں سیرت میں رطب و یابس مواد اور کتب احادیث و سیرت کی نامعتبر روایات کو کسی حال میں بھی ماخذ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ جو لوگ "سیرۃ النبی" کے اس نقطۂ نظر اور مآخذ و مصادر کے بارے میں اس کے اصول

---

[۱۳] معارف، مئی ۱۹۸۶ء، ص ۳۵۳

[۱۴] معارف، مئی ۱۹۸۶ء، ص ۳۵۹

اور طریقے کو سامنے نہیں رکھتے وہ خواہ مخواہ اس پر اعتراضات کرتے ہیں[۱۵]۔ بعض لوگوں کو اعتراض تھا کہ سیرت کی اس جلد میں بعض مباحث و موضوعات کا سیرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مولانا اصلاحی نے ایسے محققین کے ایک ایک اعتراض کا عقلی و نقلی جواب دے کر ان کی غلطی واضح کی ہے۔ اس سلسلے کا سب سے مفصل اعتراض مولانا بدر عالم کی تصنیف "ترجمان السنۃ" جلد چہارم کے مقدمے پر مشتمل ہے جو سیرت النبی جلد سوم کے رد میں لکھا گیا ہے اور سیرت اور مصنّف سیرت کا نام لیے بغیر بلا حوالہ اس کے اقتباسات نقل کر کے ان کی تردید کی گئی ہے اور اسلوب بہت بھونڈا اور غیر موزوں تھا۔ مولانا اصلاحی نے ان اعتراضات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور مدلل و محقق اور مفصل جواب لکھنا اپنا فرض سمجھا۔ انہوں نے ان اعتراضات کی قلعی کھول دی اور "سیرۃ النبی" جلد سوم پر کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات" تین قسطوں میں ہر اعتراض کا بھرپور جواب دیا۔ اعتراضات اور اس کے جوابات کے لیے اصل مضمون کا مطالعہ کرنا چاہیے[۱۶]۔

پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے اس مقالے پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا ہے:

> مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے دو مقالات "سیرۃ النبی" جلد سوم پر ایک نظر (تین قسطوں) اور اس جلد پر اعتراضات اور ان کے جوابات کے لیے وقف ہے۔ وہ مدافعانہ اظہار اور پیش کش ہے اور سید صاحب کے بعض منفرد افکار کی توجیہ و تاویل کی کوشش، اس کے بعض مباحث، خاص کر اولین حصے جو معجزات کے فلسفیانہ تاویلات و تشریحات سے وابستہ ہیں، اسی طرح غیر متعلق ہیں۔ البتہ بعد کے مباحث معجزات میں سید صاحب نے تنقیدی و تحلیلی طور پر بہت سے مشہور عام دلائل و معجزات سے بحث کی ہے۔ ان کو روایتی علماء اور سیرت نگار قبول نہیں کرتے۔ ان کے دفاع میں جو مباحث آئے ہیں وہ سیرت نبویؐ کا ایک کلامی اور استدلالی پہلو ہے[۱۷]۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک مولانا اصلاحی کے یہ جوابات "مدافعانہ اظہار اور پیش کش" ہو سکتے ہیں مگر مؤلف سیرت نے تالیف سیرت کے سلسلے میں جو خاص موقف اور مقصد پیش نظر رکھا تھا، جس کی وضاحت مولانا اصلاحی نے اپنے اس مقالے میں جگہ جگہ کی ہے، اگر وہ سامنے ہو تو اس جلد پر اعتراض کے وہی جوابات دیے جائیں گے جو مولانا اصلاحی نے دیے ہیں۔ ان اعتراضات کا

---

[۱۵] معارف، اگست ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۶-۱۰۷

[۱۶] دیکھیے: معارف کی تین قسطیں (اگست تا اکتوبر ۱۹۸۶ء)

[۱۷] معارف، اپریل ۲۰۱۹، ص ۲۵۷

جواب اگر سید صاحب بھی دیتے تو اسلوب و انداز سے قطع نظر اکثر وہی دیتے جو مولانا اصلاحی کے قلم سے مترشح ہوئے ہیں۔

مولانا اصلاحی نے جواب دینے کے بعد حرف آخر کے نام سے جو خلاصہ لکھا ہے اس سے اعتراض کی حقیقت سامنے آگئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> علمی و تحقیقی اختلاف معیوب نہیں ہے لیکن مولانا بدر عالم نے سید صاحب جیسے محقق بزرگ کے سلسلے میں جو لب ولہجہ اختیار کیا ہے اور اس سے جس ذہنیت کا پتہ چلتا ہے وہ نہایت افسوس ناک ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کے تعلقات علمائے دیوبند سے بہت اچھے تھے اور انہوں نے ان کے اکابر کا ذکر جس قدر فراخ دلی اور احترام سے کیا ہے اور ہر ایک کی وفات پر جس قدر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اسی کی توقع دوسروں سے بھی ان کے بارے میں تھی۔ سید صاحب نے جہاں کسی بزرگ سے اختلاف کیا ہے وہاں متانت اور شائستگی کا دامن ان سے نہیں چھوٹا ہے بلکہ انہوں نے مراتب شناسی کا پورا لحاظ کیا ہے لیکن اس کے بالکل ہی برعکس ایک محدث اور استاد حدیث کا ان کے بارے میں یہ لب ولہجہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور دکھ بھی[۱۸]۔

**علامہ شبلی اور سیرت نبوی کی تالیف (مقدمۂ سیرت پر ایک نظر):** ”سیرۃ النبی“ پر علامہ شبلی کا مقدمہ انتہائی اہم اور فن سیرت کے دقیق مسائل و مباحث پر مشتمل ہے۔ اس مقدمے میں تالیف سیرت کے جو بلند و بالا اغراض و مقاصد علامہ شبلی کے پیش نظر تھے ان پر انہوں نے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحثیں کی ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس مقدمے کا باریک بینی سے جائزہ لے کر فن سیرت کے ان دقیق موضوعات اور پہلوؤں کو آسان اسلوب میں پیش کر دیا ہے۔ یہ بھی سیرت کی ایک بڑی علمی خدمت ہے کہ مشکل مباحث کو آسان پیرایے میں بیان کر دیا جائے۔ غالباً اس مقالے کو پڑھنے کے بعد ”سیرۃ النبی“ کے اس مبسوط مقدمے کی الگ سے طباعت کی خواہش بعض اہل علم کی جانب سے کی گئی تو مولانا اصلاحی نے ان کی توجہ پر یہ طویل مقدمہ ”مقدمہ سیرۃ النبیؐ“ کے نام سے کتابی صورت میں الگ سے شائع کیا۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

> ”سیرۃ النبی“ کو اس کی جن گوناگوں خصوصیات نے منفرد اور ممتاز بنایا ہے ان میں اس کے عالمانہ و محققانہ مقدمہ کو بھی خاص دخل ہے۔ اسی لئے بعض اہل نظر نے توجہ دلائی کہ اس کو

---

[۱۸] معارف، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۲۹۵

"سیرۃ النبی" کے ساتھ شائع کرنے کے علاوہ علاحدہ بھی طبع کرایا جائے کیوں کہ یہ سیرت کے اہم اصولی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک مستقل تصنیف ہے[19]۔

**سوئے حرم:** مولانا اصلاحی ۱۹۹۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر حج سے مشرف ہوئے۔ یہ ایک مذہبی سفر ہے۔ اس سفر میں ایک مسلمان کے قلب پر جذبات وواردات کی جو کیفیت طاری ہوتی اس کو بہت سے حساس اور پڑھے لکھے لوگ قلم بند کرتے ہیں۔ اس کا سب سے اہم پہلو عقیدۂ توحید ورسالت سے مضبوط وتوانا وابستگی ہے۔ اس میں بیت اللہ میں حاضری اور دعائے ابراہیمی کے استحضار کے ساتھ محبوب کائنات آنحضورؐ سے محبت وشیفتگی ووارفتگی کی کیفیت اور اس کا اثر سب سے اہم ہے۔ اس کیف ولذت سے مولانا اصلاحی بھی سرشار ہوئے اور اپنے احساسات کی خوشبو سے قارئین معارف کے مسام جاں کو معطر کرنے کی کوشش کی اور پانچ قسطوں (جولائی، ستمبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء) میں "سوئے حرم" کے نام سے ایک والہانہ سفر نامہ سپرد قلم کیا جس کی ہر سطر دعائے خلیلؑ ومحبت حبیبؐ کا مظہر نظر آتی ہے۔ مولانا جب دہلی سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے تو لکھتے ہیں کہ لوگ کھانے کے بعد اونگھنے لگے، لیکن میری آنکھ کبھی نہیں جھپکی۔ پہلے میں نے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے مطابق عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر کچھ دعائیں، تلبیہ، حج اور حضرت ابراہیمؑ سے متعلق جو آیات یاد تھیں ان کو پڑھا اور یہ دعائے ابراہیمی میرے غور وفکر کا محور بن گئی[20]: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ الخ (البقرہ:۱۲۷-۱۲۹)۔ مولانا نے ان آیتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قاری کے دل میں سیرت کے متعلق الگ قسم کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ مولانا نے ان آیتوں سے آنحضورؐ کی بعثت کے مقاصد کا جو نکتہ پیش کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ان آیتوں میں آنحضرتؐ کی بعثت کے مقاصد کا ذکر ہے۔ بلاشبہ آپؐ کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وتزکیے کے فیضان سے کفر وباطل کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ شیرازۂ یہودیت ونصرانیت بکھر گیا۔ سرزمین عرب شیاطین وطواغیت کے وجود سے پاک ہوگئی اور ایسا مزکّٰی ومجلّٰی گروہ پیدا ہوا جس نے توحید کا غلغلہ بلند کیا اور صحرائے حجاز کے چپہ چپہ پر طغرائے حق کندہ کردیا:

---

[19] علامہ شبلی نعمانی، مقدمہ سیرۃ النبیؐ، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء ص ۳

[20] معارف، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۷۰

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا

لیکن جب شہنشاہ کونین کی تعلیم و تزکیے کا اثر امت پر باقی نہیں رہا تو وہ پسپا ہو گئی ہے اور کفر و طاغوت کے علم برداروں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں[۲۱]۔

اس میں سیرت سے متعلق معلومات کا ایک سیل رواں ہے جس سے صحیح معنوں میں لطف اس مضمون کے مطالعے سے حاصل ہو گا[۲۲]۔

**"سیرۃ النبی" جلد پنجم کے بعض قرآنی مباحث:** مولانا اصلاحی کو قرآنیات سے دلچسپی تھی۔ اس موضوع پر ان کے مقالات کا ایک مجموعہ "ایضاح القرآن" بہت پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہود اور قرآن کے موضوع پر ان کے مقالات کا مجموعہ ان کے انتقال کے بعد دارالمصنّفین سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا اصلاحی کے ذوق سیرت کے نکھرنے میں شبلی و سید سلیمان ندوی کی تصانیف سیرت اور ان کے خاص قرآنی ذوق کا بہت بڑا دخل ہے۔ انہوں نے سلسلۂ "سیرۃ النبی" کا مطالعہ جب گہرائی و گیرائی سے کرنا شروع کیا تو جستہ جستہ اپنا حاصل مطالعہ شائقین سیرت کو پیش بھی کرتے رہے۔ چنانچہ "سیرۃ النبیؐ" جلد پنجم کے بعض قرآنی مباحث کا جائزہ معارف کی دو قسطیں (نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء میں) ان کے اسی خصوصی ذوق قرآنی کی دین ہے۔ مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ "سیرۃ النبی" کے اکثر مسائل و مباحث قرآن مجید سے ماخوذ، مستنبط اور مستفاد ہیں[۲۳]۔ تالیف سیرت میں مؤلفین نے قرآن کو جو مقام و اہمیت دی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں:

> "سیرۃ النبی" کی تمام جلدوں کی تالیف میں اصل ماخذ و مرجع قرآن مجید ہی کو بنایا گیا ہے۔ رسول اکرمؐ کی زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر اور آپؐ کا وجود مبارک اسی کا پرتو اور عملی نمونہ تھا۔ اس لیے مصنّفین سیرت نے بحد امکان اسی کو آپؐ کی سیرت مبارکہ کی تالیف و تدوین میں اصلی و بنیادی مأخذ بنایا۔ اس میں جس کثرت سے قرآنی آیات سے استشہاد کیا گیا ہے، سیرت کی دوسری کتابوں میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ہر مبحث میں اس سے متعلق قرآنی آیات کا پورا

---

[۲۱] معارف، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۷۰

[۲۲] دیکھیے: معارف، جولائی، ستمبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء

[۲۳] معارف، نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۶

استقصاء کیا گیا ہے جس سے "سیرۃ النبی" کے مصنّفین کے تدبر فی القرآن اور قرآنی علوم میں ژرف نگاہی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اس طرح "سیرۃ النبیؐ" میں تفسیر کی کتاب نہ ہوتے ہوئے بھی قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر،اس کے معارف وحقائق کی تلاش وجستجو،اس کے مطالب ومضامین کی توضیح وتلخیص، اس کے اسرار وحکم کی تعلیل وتوجیہ، اس کے مشکلات وغوامض کی عقدہ کشائی، اس کی مراد ومنشا کی تعیین، اس کے مبہمات اور اصول وحقائق کی نشاندہی،اس کے لطائف ونکات کی شرح،اس کے اشارات وابہامات کی تفصیل وتبیین،اس کی تعبیروں اوراصطلاحات کے مفہوم،اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ،اس کی ادبی لطافتیں،اس کی بلاغت کی خوبیاں،نحو وصرف کے مسائل اور اس کے الفاظ ولغات کی بحث وتحقیق وغیرہ سب کچھ موجود ہے[۲۴]۔

اس کے بعد مولانا نے "سیرۃ النبی" جلد پنجم پر ایک نظر ڈال کر قرآن مجید کے بحر بیکراں میں سید صاحب کی غواصی وغوطہ زنی کے کچھ نمونے دکھائے ہیں۔مثلاً صبر کے مواقع استعمال، اس کے مفہوم اوراس کے اقسام پر سید صاحب کی بحثوں کا مفصل جائزہ لیا ہے۔سید صاحب نے اوقات نماز کی تعیین قرآن مجید سے کی ہے اور اس پر اس جلد میں بڑی مبسوط بحث کی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ "سید صاحب نے اوقات نماز پر اس لیے نہایت طویل اورمبسوط بحث کی ہے کہ بعض مستشرقین نے دانستہ یانادانستہ طور پر اوقات نماز میں غلط فہمی پھیلانی چاہی ہے"[۲۵]۔ آخر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ کہیں کہیں احادیث وروایات سے بھی آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے بیان کی تصدیق وتائید کتب مقدسہ سے بھی کی گئی ہے۔ آیتوں کے شان نزول، ان کے اور سورتوں کے مکی ومدنی ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ فقہی احکام ومسائل پر بحث وگفتگو بھی کی گئی ہے۔ قرآنی الفاظ ولغات کی تحقیق، نحوی بحثیں، کلام کی لطافت وبلاغت اور طرز ادا کی خوبیاں بھی جابجا بیان کی ہیں اور مفسرین کے بعض تفسیری اقوال واختلافات کی حکایت بھی بیان کی ہے[۲۶]۔

**رسول اکرمؐ کی فصاحت وبلاغت:** آنحضورؐ کی حیات طیبہ کا ایک پرکشش پہلو آپؐ کا حسن تکلم

---

[۲۴] معارف،نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۶ - ۳۲۷

[۲۵] معارف نومبر ۱۹۹۷ء، ص ۳۳۵

[۲۶] معارف، دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۴۲۰

و تخاطب تھا۔ اسی واسطے سے آپؐ نے دنیا کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ پیام رسانی کے لیے آپؐ نے جو اسلوب اختیار کیا وہ انتہائی بلیغ اور جامع تھا۔ آپؐ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جس کے سامنے آپؐ دعوت پیش کرتے تھے وہ تو آپؐ کے طرز خطابت کا اسیر ہو جاتا تھا۔ ۶۳ سالہ زندگی میں آپؐ کے بڑے سے بڑے معاند اور شقیّ القلب کی جانب سے کتب سیر و احادیث میں آپؐ کے انداز گفتگو کے متعلق ایک بھی حرف شکایت درج نہیں۔

مولانا اصلاحی نے آپؐ کی سیرت کے اس خاص پہلو پر ایک نہایت وقیع مضمون معارف کی دو قسطوں (جون، جولائی ۱۹۹۴ء) میں سپرد قلم کیا جس میں تفصیل سے آپؐ کی فصاحت و بلاغت اور آپؐ کے بعض مؤثر اسلوب کا جائزہ صحیح بخاری کی بعض احادیث کی روشنی میں لیا ہے۔ اس مضمون میں مولانا اصلاحی نے لکھا ہے کہ آپؐ کو زبان و بیان پر مکمل قدرت تھی۔ اپنے مافی الضمیر کو خوبصورت الفاظ میں عمدہ طریقے پر پیش کرتے تھے۔ عرب کے قبائل کے لہجات مختلف تھے، ان کے اسالیب جدا تھے، لیکن خدا نے پیغمبر آخر الزماںؐ کو تمام لغات اور لہجوں سے واقف کرا دیا تھا۔ آپؐ ہر قبیلے سے اس کے مخصوص لب و لہجہ میں نہ صرف گفتگو فرماتے تھے بلکہ فصاحت اور الفاظ کے صحیح انتخاب اور برمحل استعمال اور عبارت کی وضاحت میں سب پر فائق رہتے تھے۔ فصاحت، بلاغت اور زبان دانی کا ملکہ آپؐ میں فطری اور خداداد تھا۔ آپؐ کی زبان مبارک سے جو لفظ اور فقرہ بھی ادا ہوتا تھا وہ ادب و انشاء کی لطافت، رعنائی بیان اور حسن تعبیر کا ضامن اور بلاغت کی جان ہوتا تھا۔ اس کی تاثیر، دلنشینی، دلکشی اور دلآویزی حد بیان سے باہر ہے۔ آپؐ کی روزمرہ گفتگو بھی حشو و زوائد اور تکلف و تصنّع سے پاک اور ماقل و دل ہوتی تھی۔ روانی، برجستگی، سلاست، شگفتگی اور سادگی و پرکاری اس کا طرۂ امتیاز ہوتا تھا۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگری کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است[۲۷]

اس مضمون میں مولانا اصلاحی نے استفہام، تشبیہ و تمثیل، قسم، تنبیہ کے موقع پر عام خطاب، کسی چیز کی تاکید اور اس کی فضیلت و اہمیت بیان کرنے کا بلیغ اسلوب، بعض نہایت بلیغ تعبیریں اور ضرب الامثال کے جلی عنوانات کے تحت آپؐ کے مؤثر اسالیب کا استنباط احادیث بخاری کی روشنی میں کیا ہے۔

---

[۲۷] معارف، جون ۱۹۹۴ء، ص ۴۰۷-۴۰۸

**معارف میں مطبوعہ مترجمہ مضامین:** ان گراں قدر مقالات کے علاوہ مولانا اصلاحی کا ایک اہم کام ایک عربی کتاب "الرسول ﷺ فی کتابات المستشرقین" کے بعض حصوں کا ترجمہ ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- **مستشرقین کے نزدیک نبوت اور وحی کے دلائل:** رابطہ عالم اسلامی سے ایک کتاب "الرسول ﷺ فی کتابات المستشرقین"، مؤلفہ استاذ نذیر حمدان موصول ہوئی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا ایک حصہ اسی عنوان سے تھا۔ مولانا نے اس مضمون میں اس کی تلخیص پیش کی ہے[۲۸]۔
- **سیرت نبویؐ کے متعلق مستشرقین کی بعض غلطیوں کی تصحیح:** یہ مضمون بھی اسی کتاب کے ایک حصے کا ترجمہ ہے۔ مولانا کے مطابق اس حصے میں مستشرقین کی بعض غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ ان سے ان کی فتنہ پردازی، بدنیتی اور تعصب کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے[۲۹]۔
- **مستشرقین کے اعتراضات کی نشوونما اور ان کی نوعیت، اغراض اور خاص محور:** مستشرقین کے طعن و تشنیع اور افترا پردازی سے اسلام، اسلامی تہذیب بالخصوص آنحضرتؐ کی مقدس زندگی کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہے۔ یہ مضمون بھی استاذ نذیر حمدان کی کتاب کے اس حصے کا ترجمہ ہے جس میں اسلامی تاریخ و تمدن اور سیرت کے علاوہ بعض مفید باتیں آگئی ہیں[۳۰]۔
یہ ترجمہ معارف میں دو قسطوں میں شائع کیا گیا ہے۔ دوسری قسط جنوری ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں آپؐ پر بزدلی، اور لڑائیوں میں بے صبری، خواب و منام کی کثرت، نبی کی حیثیت، رسول کے نام، رسول کی امیت وغیرہ سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے[۳۱]۔
- **بحث و تحقیق میں مستشرقین کی بے راہ روی:** یہ مضمون بھی استاذ نذیر حمدان کی کتاب کے ایک حصے کا ترجمہ ہے جس میں مستشرقین کی بے راہ رویوں اور تضاد بیانیوں کا دو نوعیتوں سے ناقدانہ

---

[۲۸] دیکھیے: الاسلام والمستشرقین، جلد ہفتم، ص۱۸-۲۹؛ معارف، ستمبر ۱۹۸۱ء، ص:۲۰۶

[۲۹] دیکھیے: الاسلام والمستشرقین، جلد ہفتم، ص۴۱-۶۱؛ معارف، فروری ۱۹۸۴ء، ص:۸۵

[۳۰] دیکھیے: الاسلام والمستشرقین، جلد ہفتم، ص ۱۹۹-۲۳۲؛ معارف، دسمبر ۱۹۸۳ء، جنوری تا مارچ ۱۹۸۴ء

[۳۱] دیکھیے: معارف، جنوری ۱۹۸۴ء، ص۵ومابعد

جائزہ لیا گیا ہے اور اسلامی تاریخ، بعثت سے قبل کے میلانات ورجحانات، رسول اللہؐ کی بیماری اور موت کے اسباب اور سیرت کے بعض دوسرے مسائل سے متعلق ان کے تحقیقی تضادات اور بے راہ رویوں سے پردے ہٹا کر حقائق سامنے لائے گئے ہیں[۳۲]۔

ان مضامین کے ترجمے میں جو سلاست اور روانی ہے اس کا جواب نہیں۔ بعض میں تو مولانا اصلاحی نے جگہ جگہ مفصل اور مختصر مگر محققانہ حاشیہ آرائی بھی کی ہے۔ اس سے اس موضوع کے سلسلے میں ان کے انہماک، دلچسپی اور مطالعۂ سیرت میں ان کے درک ووسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ ترجمے بھی دارالمصنّفین کے سلسلۂ اسلام ومستشرقین کی ایک کڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلام اور مستشرقین کی جلد ہفتم میں شامل کیا گیا ہے۔

**سیرت کی معنویت:** سیرت نبوی کے موضوع پر مولانا اصلاحی کے عہد تک اس قدر مقبول ومستند کتابوں کا ذخیرہ تیار ہو چکا تھا کہ اس موضوع پر مزید نئی کتاب کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا، اس لیے کہ سیرت رسولؐ کے بارے میں لکھنے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ مولانا اصلاحی نے سیرت کو عصری ضرورت سے جوڑتے ہوئے اس کی معنویت کو ہر عہد میں متعین کرنے کی کوشش کی اور لکھا کہ چونکہ اس کا پیغام عالم گیر اور دائمی ہے، اس لیے ہر زمانے میں اس موضوع کی تروتازگی اور شادابی باقی رہے گی۔ وہ لکھتے ہیں:

> سیرت نبویؐ مسلمانوں کا بہت محبوب موضوع ہے۔ اس پر ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ عربی تو درکنار اردو میں بھی سیرت پر کئی عظیم الشان کتابیں موجود ہیں۔ بظاہر اس قدر عام موضوع پر نہ کسی نئی کتاب کی ضرورت ہے اور نہ سیرت کی بے شمار مقبول تصنیفات کی موجودگی میں کسی نئی تصنیف کے لیے حسن قبول حاصل کرنا ممکن ہے مگر رسول اکرمؐ کی مبارک سیرت ہر عہد، ہر قوم اور ہر ملک کے لیے اسوہ اور نمونہ ہے۔ آپؐ کی دعوت اور آپؐ کا پیغام عالمگیر اور دائمی ہے جس پر کبھی خزاں طاری نہیں ہو سکتی۔ اس کی تروتازگی اور شادابی ہمیشہ قائم وباقی رہے گی اور ہر زمانہ میں تلاش وتحقیق اور بحث ونظر کے نئے پہلو اور نئے گوشے سامنے آتے رہیں گے اور ہر عہد کے لوگوں کو اس میں ہدایت وارشاد اور حسن عمل کا تازہ پیام ملتا رہے گا[۳۳]۔

---

(۳۲) دیکھیے: الاسلام والمستشرقین، جلد ہفتم، ص ۱۹۱- ۱۹۸؛ معارف، مارچ ۱۹۸۴ء، ص:۱۶۹

(۳۳) معارف، دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴۶۶

**واقعۂ معراج کے متعلق مولانا اصلاحی کا خیال:** معراج کا واقعہ اسلامی تاریخ کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ مگر سیرت نگاروں نے اس کے وقوع اور تفصیلات میں اس قدر لایعنی بحثیں کی ہیں جن کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ مولانا اصلاحی، اس سلسلے میں کتب سیرت میں جو طویل بحثیں ملتی ہیں اس پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسول اللہؐ کی معراج اور اسراء کا واقعہ بڑا مہتم بالشان ہے، مگر اس کو علم کلام کا ایک اہم اور نازک مسئلہ بنالیا گیا جس کے پیچ وخم میں مفسرین اور سیرت نگار بھی الجھ کر رہ گئے اور انہوں نے گوان پر بڑی طویل اور دقیق بحثیں کیں مگر ان کی نظر سے وہ حقائق ودقائق مستور رہے جو اس واقعے کا اصل اور بنیادی مقصد تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں بلاضرورت اس مسئلے پر نہایت دوراز کار اور بے سود بحثیں کی گئی ہیں جن سے قارئین کو نہ ہدایت ورہنمائی ملتی ہے اور نہ وہ کسی خاص نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ دراصل معراج اور اسراء کا واقعہ ایک ربانی انعام اورالٰہی عطیہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ میں دیے گئے دوازدہ گانہ احکام وہدایات کی تجدید اور از سرنو توثیق ہے۔ یہ رسول اللہؐ کی آئندہ زندگی کالائحۂ عمل بھی ہے جس سے آپؐ کو بڑی تقویت اور خاص ہدایت ورہنمائی ملی[۳۴]۔

**معراج میں آپؐ کی رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق مولانا اصلاحی کا خیال:** رؤیت باری تعالیٰ شریعت نبوی کا ایک اہم کلامی مسئلہ ہے۔ متکلمین کے یہاں اس پر بڑی گہری بحثیں موجود ہیں۔ کچھ لوگ رؤیت باری تعالیٰ کے قائل اور کچھ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح معراج میں آنحضور ﷺ کی رؤیت باری کے متعلق بھی اہل علم مختلف الخیال ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اس مسئلے پر کہیں کوئی مفصل بحث نہیں کی ہے البتہ ان کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس ضمن میں قرآن مجید میں جتنا کہا گیا ہے مولانا اتنے کے قائل تھے۔ اس سے آنحضورؐ کی رؤیت باری کے سلسلے میں مولانا اصلاحی کے خیال کو سمجھا جاسکتا ہے۔ قاضی عیاض کی ''الشفاء'' پر اپنے مقالے میں، جہاں انہوں نے رؤیت کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

اس (رؤیت) سے معراج کی طرف اشارہ ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ معراج میں آپؐ دیدارالٰہی سے مشرف ہوئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ رؤیت سے آپؐ کا حضرت جبرئیلؑ کو دیکھنا مراد ہے، مگر قرآن مجید میں جہاں اس کا ذکر ہے وہاں لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ کے

---

[۳۴] ملاحظہ ہو: معارف، جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۶۶

الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے معراج میں خدا کی عجیب و غریب نشانیاں دیکھی تھیں[۳۵]۔

**پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کے ایک مضمون پر مولانا اصلاحی کا تبصرہ:** مولانا اصلاحی کا مطالعہ سیرت کے موضوع پر وسیع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے موقف پر سختی سے قائم رہتے تھے لیکن علمی امور و معاملات میں اظہار رائے کی آزادی کی وجہ سے کبھی کبھی تفردات یا اس قسم کی نئی تحقیق کو معارف میں شائع کر دیا کرتے تھے لیکن اشاعت سے پہلے نوٹ لکھ دیتے تھے جس سے معارف کا تائیدی و تنقیدی نقطۂ نظر قارئین کے سامنے آجاتا تھا۔ چنانچہ مشہور سیرت نگار اور محقق پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کے اسی طرح کے ایک مضمون بعنوان "دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول - حیات نبوی کا انقلاب آفریں مرحلہ" معارف میں شائع کیا تو مقالہ نگار کی مرعوبیت، خوش اعتقادی اور حدیث کے بجائے کتب سیرت پر اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے اس پر درج ذیل نوٹ لکھا:

> سیرت نبویؐ مقالہ نگار کی بحث و تحقیق کا خاص موضوع ہے اور اس پر انہوں نے بہ کثرت مقالے سپرد قلم کیے ہیں جن کے متعدد مجموعے طبع ہو چکے ہیں لیکن رائے عام سے مرعوبیت بھی عجیب چیز ہے۔ اس مضمون میں رسول اکرمؐ کے بعض واقعات زندگی کو دن اور تاریخ سے وابستہ کرنے کی کوشش میں وہ خوش اعتقادی کے حدود میں جا پہنچے ہیں۔ ولادت کا دن دوشنبہ چاہے مسلّم ہو مگر ۱۲ ربیع الاول کی قطعیت میں ان کا انحصار کتب حدیث کے بجائے کتب سیر کی روایتوں اور اقوال جمہور پر ہے۔ تقویم کے حساب میں اگر غلطی کا امکان ہے تو کس چیز میں نہیں ہے مگر اس کی وجہ اور بنیاد تو ہونی چاہیے[۳۶]۔

**"سیرۃ النبیؐ" حصہ اول تا ہفتم کی تحقیق و تخریج:** "سیرۃ النبی" کے حوالوں کی تخریج و مراجعت کا کام شروع سے کیا جاتا رہا ہے لیکن اس کے بعد بھی یہ کام تشنۂ تکمیل تھا۔ مولانا اصلاحی کے عہد نظامت میں "سیرۃ النبی" کی جلدوں کے شایان شان، صحیح و محقق ایڈیشن کی طباعت کا تقاضا ہوا تو انہوں نے پھر سے ان کی تصحیح و مراجعت کا بیڑا اٹھایا اور اپنے رفقائے کار کے ساتھ خود بھی اس اہم علمی خدمت میں اس طرح مصروف ہوئے کہ دوسری علمی و تصنیفی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔

مولانا اصلاحی نے غیر مکمل حوالوں کی تکمیل اور مراجعت کا کام اس طرح کیا کہ جہاں کچھ

---

[۳۵] معارف، جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۳۴

[۳۶] معارف، اپریل ۲۰۰۶ء، ص ۲۵۹

اضافہ کیا، کتب احادیث و سیر کے ابواب اور دوسرے مصادر و مآخذ کے صفحات، مطابع، سنین اشاعت وغیرہ یا کوئی جملہ یا عبارت بڑھائی تو وہاں دیانت کے نقطۂ نظر سے قوسین اور اپنے اور دوسرے رفقاء کے ناموں کے مخففات واوین میں ضرور لکھوائے تا کہ امتیاز باقی رہے اور یہ واضح رہے کہ اضافہ کس نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ محققین کی آسانی کے لیے ہر جلد میں اشاریے اور کتابیات کا التزام کرایا۔ ”سیرۃ النبی“ کی تمام جلدوں کے محقق ایڈیشن کی اشاعت مولانا اصلاحی کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو ان کے مطالعۂ سیرت کے ساتھ ساتھ ان کے جذبۂ خدمت سیرت کی یاد کو عرصۂ دراز تک تازہ کرتا رہے گا۔

اس مضمون میں معارف میں شائع شدہ مقالات کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ اس حصے میں تذکرۃ المحدثین کی الگ الگ جلدوں میں سیرت سے متعلق ضمنی بحثوں اور معارف میں مطبوعہ کتب سیرت پر ان کے ناقدانہ تبصروں کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو سیرت کے موضوع پر ان کے نظریات کے مزید گلہائے رنگا رنگ ہاتھ آئیں گے۔


## دارالمصنفین کا لائف ممبر بنئے

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ملت اسلامیہ کا ایک بے نظیر علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ اس نے سیرت نبویؐ اور مختلف علوم و فنون پر بیش بہا لٹریچر فراہم کیا ہے۔ پچھلی ایک صدی کے دوران دارالمصنفین نے اب تک پونے تین سو کے قریب تصنیفات و تالیفات ملک کے سنجیدہ علمی حلقوں میں پیش کی ہیں۔ ادارے کا ماہنامہ ترجمان علمی ”معارف“ ملک و ملت کی ذہنی و فکری بیداری میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ دارالمصنفین کی بقا اور ترقی ملت اسلامیہ کے مصالح علیا میں شامل ہے۔ دارالمصنفین کے مشن سے جڑنے کا ایک طریقہ لائف ممبری قبول کرنا ہے۔ لائف ممبر شپ کی فیس پچاس ہزار روپے ہے۔ ہر لائف ممبر کو سیرۃ النبیؐ کی سات جلدوں کا سٹ پیش کیا جاتا ہے نیز رسالہ ”معارف“ بھی تاحیات جاری کیا جائے گا۔ دارالمصنفین کے حیاتی رکن بن کر اس تہذیبی مشن میں شامل ہوں۔

**Darul Musannefin Shibli Academy**

Shibli Road, Azamgarh 276001, U.P.

**Contact:** +91-81279-45267 (office). **Email:** info@shibliacademy.org

**A/C Name:** DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH.

**A/C No:** 0504010100032752. **Bank Name:** PUNJAB NATIONAL BANK.

**Branch:** HEERPATTI - AZMAGARH (U.P.). **IFSC:** PUNB 0476100.

**Bank Code:** 476100

# قرآن برائیوں کو روکتا ہے

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

قرآن ایک مکمل دستور حیات ہے۔ وہ ایک طرف تو ہمیں اپنی ذاتی زندگیوں میں خشوع و خضوع، اعراض عن اللغو اور اداء الفرائض کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف دوسروں اور سوسائٹی کے تئیں ہم کو ذمے دار بناتا ہے۔ اس ذمے داری کو ”اداء الأمانات“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا مطلب ہے دوسروں کے حقوق کو بطور اکمل ادا کرنا۔ ہمیں ان دونوں ذمے داریوں، یعنی ذاتی اور اجتماعی فرائض، کو ادا کئے بغیر نجات اور جنت نصیب نہیں ہو گی۔ اسی لئے اسلام میں رہبانیت کی ممانعت ہے (لا رھبانیۃ فی الاسلام) کیونکہ رہبانیت دنیا میں اپنی ذمہ داریوں سے فرار کا راستہ ہے۔ اسلامی نظریۂ مقاصد کے مطابق ”درء المفاسد مقدم علی جلب المنافع“ یعنی برائی روکنا بھلائی لانے پر مقدم ہے۔ پہلے برائیوں کو روکنے کی کوشش ہونا چاہئے، اس کے بعد بھلائیوں کو پھیلانے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہر معصیت بندے کو اللہ پاک سے دور کرتی ہے۔

**سماجی برائیاں دو طرح کی ہوتی ہیں : (۱) ظاہری:** مثلاً ظلم، شراب نوشی، منشیات کا استعمال، قذف (بہتان بازی)، چوری، دھوکا، ربا، رشوت، یتیم، بیوہ اور کمزور کا مال ہڑپنا وغیرہ۔ (۲) **باطنی یعنی** چھپی ہوئی برائیاں مثلاً حسد، حقد، نفرت اور غیبت وغیرہ جو دلوں میں چھپی رہتی ہیں لیکن ان کا اثر انسان کے اعمال پر پڑتا ہے۔ قرآن ان دونوں طرح کی سماجی بیماریوں کا علاج کر کے عمدہ اور صالح افراد اور معاشرہ تیار کرتا ہے۔ قرآن یہ تبدیلی بندوں میں خوف خدا (تقویٰ) پیدا کر کے لاتا ہے۔ اس تبدیلی کے آنے کے بعد بندہ بلا کسی خوف اور ظاہری رکاوٹ کے، جیسے پولیس اور عدالت کا ڈر، غلط کاریوں سے دور رہتا ہے۔ جب بہت سے ایسے لوگ معاشرہ میں پیدا ہو جاتے ہیں تو صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلام نے غلط کاریوں سے نہ صرف بچنے کا حکم دیا ہے بلکہ اگر ان کا ارتکاب ہو بھی جائے تو جادۂ حق پر واپس آنے کا طریقہ گناہ کا احساس کرنے اور سچی توبہ کو بتایا ہے۔ ایمان بندے کے اندر یہ احساس اجاگر کرتا ہے کہ خدا مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے، اپنے ہر عمل کا مجھے آخرت میں حساب دینا

ہے اور میرے نامۂ اعمال کے مطابق دوسری-ابدی-زندگی میں میرا مقام ہمیشہ کے لیے طے ہو گا۔

قرآن بندوں میں تقویٰ اور دوسروں کے تئیں ذمہ داریوں کی ادائگی (اداء الامانات) کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ دونوں بنیادی خصائص کسی میں پیدا ہو جائیں تو صحیح کام کرنے کے لئے اسے کسی دنیاوی قانون، پولیس یا عدالت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ صلوٰۃ (نماز) تقویٰ کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا، إِذا مَسّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيرُ مَنُوعًا، إِلَّا الْمُصَلِّينَ (انسان ڈرپوک (بے صبرا) پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو وہ خرچ نہیں کرتا ہے، سوائے وہ لوگ جو نماز پڑھنے والے ہیں-المعارج ۷۰ :۲۱)؛ إِنّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (بلاشبہہ نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے-العنکبوت ۲۹:۴۵)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ پورے استحضار کے ساتھ خدا کے سامنے کھڑا ہو گا تو خدا کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے گا اور وہ زندگی کے ہر عمل میں دیکھے گا کہ خدا کی رضا کیا ہے اور خدا کس بات سے ناراض ہو گا۔ اور اگر نماز پڑھنے کے باوجود کسی بندے میں یہ صفات نہیں پیدا ہوتی ہیں تو واضح ہے کہ اس کی نماز محض ایک رسم اور ایک عادت ہے جس کا اس کے وجدان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں کہا گیا ہے کہ "اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے" (اعْبُدِ اللهَ كأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِن لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ – صحیح البخاري)۔

تقویٰ پیدا ہو جانے کے بعد بندہ وہ سب کچھ خود سے کرے گا جس کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کے لیے-الذاریات ۵۱:۱۹)؛ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھتے ہیں-المؤمنون ۲۳ : ۸؛ المعارج ۷۰ : ۳۲)۔

حقیقی نمازی نہ جھوٹ بولے گا، نہ امانت میں خیانت کرے گا، نہ چوری کرے گا، نہ وعدہ خلافی کرے گا اور نہ ہی دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے پہلو تہی کرے گا۔ اسی وجہ سے صلوٰۃ (نماز) کو دین کا بنیادی رکن یا عمود مانا گیا ہے۔ عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا کہ اللہ پاک نے ان کو نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی (حکم دیا): وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (اور مجھے حکم دیا کہ نماز اور زکوٰۃ کی

پابندی کروں جب تک میں زندہ رہوں۔ مریم ۱۹:۳۱)۔

قرآن پاک ہمیں بہت واضح ہدایات دیتا ہے کہ ہم کس طرح سے سماج سے برائیاں ختم کر سکتے ہیں، مثلاً:

- **افواہوں پر توجہ نہ دیں:** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (اے ایمان لانے والو! اگر کوئی فاسق (بد عمل) تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانی میں نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔ الحجرات ۴۹:۶)۔
- **لڑائی کرنے والے مؤمنین کے درمیان صلح کرائیں اور اگر پھر بھی کوئی حد سے تجاوز کرے تو اس کے خلاف جنگ کریں:** وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقتتلوا فأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا، فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الأُخْرى فَقَاتِلُوا الَّتِى تَبْغِى حَتَّى تَفِيءَ إلى أَمْرِاللهِ، فإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ، وَأَقْسِطُوا إِنّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (اور مومنین میں سے اگر دو گروہ آپس میں لڑ بیٹھیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر وہ لوٹ آئے تو ان (دونوں) کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ الحجرات ۴۹: ۹)۔
- **تکبر اور جھوٹی شان سے بچنا:** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ، وَلَا نِسَآءٌ مِنْ نِسَآءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ، وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ، وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ، بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ، وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اے ایمان لانے والو! نہ لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں؛ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعنے نہ کسو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد فسق (بدعملی) بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس رَوِش سے توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ الحجرات ۴۹:۱۱)۔
- **بدگمانی، ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی اور غیبت سے بچنا:** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (اے ایمان لانے والو! بہت سے گمان کرنے

سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (ایک دوسرے کی) ٹوہ میں نہ لگو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم تو اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ الحجرات ۴۹:۱۲)۔

- **فحاشی پھیلانے سے بچنا:** إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ النور ۲۴ : ۱۹)۔

- **اسراف اور تبذیر سے اجتناب:** وكُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ الاعراف ۷:۳۱)؛ وَلاَتُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ الإسراء ۱۷: ۲۶-۲۷)۔

- **بخل کی مذمت:** وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى (اور جس نے بخل کیا اور [اپنے خدا سے] بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اس کے لیے سخت راستے آسان کر دیں گے۔ اللیل ۹۲ : ۸-۱۰)؛ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَـذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنفُسِكُمْ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (اے ایمان لانے والو! (اہل کتاب کے) بہت سے علماء اور راہبوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک سزا کی خوشخبری سنا دو۔ ایک دن اسی (سونے اور چاندی) پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنے خزانے کا مزہ چکھو۔ التوبہ ۹ : ۳۴-۳۵)۔

- بیویوں کے ساتھ عمدہ سلوک: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔النساء ۱۹:۴)۔
- **حفظ امانات و حقوق اور ان کی ادائیگی:** والذین هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (اور مؤمن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔المؤمنون ۲۳ : ۸؛ المعارج ۷۰ : ۳۲)۔ یہ وہ کنجی ہے جس سے انسان اپنی زندگی میں افراط و تفریط سے بچا رہتا ہے۔

آغاز اسلام کے فوراً بعد اور چند صدیوں کے اندر مسلمان ہر طرح کی زندگی سے دوچار ہوئے اور انھوں نے ہر حالت میں باایمان اور باعمل زندگی گذارنے کا مظاہرہ کیا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان تمام ممکنہ حالات سے گذرے مثلاً مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہنا، حبشہ میں عیسائیوں کے ساتھ رہنا، مدینہ میں قبل ہجرت اور بعد ہجرت فتح مکہ سے قبل تک یہودیوں اور مشرکین کے ساتھ رہنا، فتح مکہ کے بعد بھی تقریباً چار صدی تک اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی مصر، عراق، ایران اور شام جیسے بڑے ممالک پر حکومت کرنا، پھر سقوط صقلیہ اور اندلس کے بعد عرصے تک غیر مسلموں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنا۔ ان سب مختلف النوع حالات میں حسب حال مسلمانوں نے بھرپور اسلامی زندگی گزاری اور حسب استطاعت اسلامی معاشرہ قائم کیا۔

اسلام سے پہلے کے انبیاء میں حضرت یوسف علیہ اسلام کی مثال قابل ذکر ہے۔ انھوں نے ایک غیر مسلم بلکہ مشرک حاکم کے ماتحت رہ کر وزیر رسد و غذا کا منصب کامیابی سے سنبھالا۔ اسی طرح ہم کو بھی اپنے موجودہ حالات میں بہتر سے بہتر شکل نکال کر اسلامی معاشرے کی تشکیل کرنی چاہئے۔ اس کام کے لئے ہمیں دلجمعی کے ساتھ قرآن پاک اور سیرت شریفہ کا مطالعہ یوں کرنا چاہیے کہ ہمارے موجودہ حالات میں وہ ہمیں کیا رہنمائی دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر نسل کی ذمہ داری ہے کی قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے لئے راستہ نکالے۔ جہاں نصوص قطعیہ نہیں ہیں وہاں ہم پچھلے علماء کی آراء اور اجتہادات کے پابند نہیں ہیں بلکہ حالات کے مطابق نیا راستہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔

غیر عربوں کے قرآن پاک کو ترجمے کے ساتھ نہ پڑھنے سے بہت بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ لوگ اب اسے صرف ثواب کے لئے پڑھنے لگے ہیں، یعنی کتاب ہدایت و تذکیر ورشد کو کتابِ تلاوت بنادیا گیا ہے۔

## اخبار علمیہ

# سعودی عرب میں قدیم اسلامی نقوش کا اکتشاف

هيئة التراث السعودية (سعودی محکمہ برائے وراثت) نے اعلان کیا ہے کہ صوبۂ مدینہ منورہ میں واقع المهد علاقے میں ۴۷۷،۱ قدیم آثار ملے ہیں جو اسلام کے عہد اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان آثار میں پتھر پر نقش کی گئی یہ عبارت بھی شامل ہے: "الله ولي عمر بن الخطاب في الدنيا والآخرة" (خدا دنیا اور آخرت میں عمر بن الخطاب کا ولی ہے)۔ تجربہ کار لوگوں کا تجزیہ ہے کہ یہ عبارت حضرت عمرؓ کی زندگی میں لکھی گئی ہے۔

مذکورہ محکمے کی ٹیم نے اس علاقے کے معاینہ کے دوران پتھروں پر لکھے ہوئے نقوش، کنویں، قافلوں کے راستے اور ان کے قیام کے آثار پائے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکورہ نقش حجازی رسم الخط میں ہے جو عربی زبان کا قدیم ترین رسم الخط سمجھا جاتا ہے۔ ماہروں نے معاینہ کے بعد بتایا کہ مذکورہ نقش بالفعل اوائل اسلام سے تعلق رکھتا ہے اور اس زمانے کے کتبات و مخطوطات سے میل کھاتا ہے۔ اس زمانے میں پورے لفظ کی جگہ اگر سطر میں نہ ہوتی تو اس کے ایک دو بقیہ حروف اگلی سطر میں لکھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں مذکورہ نقش میں بھی لکھنے کا وہی قدیم طریقہ اپنایا گیا ہے (الجزيرة، ۱۰؍جون ۲۰۲۶۔ ترجمہ و تلخیص: ظفر الاسلام خان)۔

# باب التقریظ والانتقاد

## رسائل کے خاص شمارے

**ششماہی دستک، خصوصی نمبر، تنقید، مبادیات، اصول و نظریات، مدیر پروفیسر آفتاب احمد آفاقی**

بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کا ششماہی ادبی و علمی ترجمان رسالہ دستک اپنے خاص شماروں اور اپنے مدیر پروفیسر آفتاب احمد آفاقی کی موضوعات پر آفاقی نظر اور توجہ کی وجہ سے اب اردو کے قابل فخر رسائل میں ایک بلند مقام پر فائز ہے۔ اس کا ہر شمارہ اپنے موضوع پر گویا ایک نئی دنیا کی دریافت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے کئی خصوصی شماروں کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے۔ پیش نظر شمارہ نمبر پندرہ ہے جو تنقید، مبادیات، اصول و نظریات کے مباحث کے لیے خاص ہے۔ پہلے تو نیت شاید یہ تھی کہ چند اہم نقادوں اور ان کی خصوصیات کا ذکر کیا جائے، ساتھ میں بعض مشہور و متداول تنقیدی اصول و نظریات پر بھی مفید معلومات جمع ہو جائیں مگر جامعات اور ادب و تنقید کے اعلیٰ درجات کے طلبہ اور شاید اساتذہ کے سامنے زیادہ جامع اور زیادہ مفصل مباحث پیش کرنے کے ارادے اور حوصلے نے فیصلہ کیا کہ معتبر و مستند اہل قلم کی نمائندہ تحریروں کو یکجا کر دیا جائے تاکہ قدیم و جدید پر مشتمل تنقیدی ادب کی کامل تصویر سامنے آجائے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی دوسرا مجموعہ ایسا ہو جس میں تنقید کی ماہیت، منصب اور اس کی ضرورت پر آل احمد سرور، نظیر صدیقی، کلیم الدین احمد، جمیل جالبی اور شمیم حنفی جیسے باکمال نقادوں کی تحریریں مبادیات کے عنوان کے تحت، ایک گوشہ ہی نہیں، ایک دنیا آباد کرتی ہوں۔ اسی طرح اصول و نظریات کی ذیلی سرخی کے تحت چھبیس بیش قیمت تحریروں نے ایک خزانہ عامرہ کا منظر پیش کر دیا۔ اس میں نظریاتی تنقید، ادبی تھیوری، مشرقی، ہیئتی، تقابلی، تاریخی، سائنسی، جمالیاتی، مارکسی، نفسیاتی، ساختیاتی، امتزاجی، عملی، نوآبادیاتی، نو تاریخی، اکتشافی، تشکیلی، تانیثی، ماحولیاتی اور پھر ترقی پسند اور مابعد نوآبادیاتی تنقیدی رجحانوں کا ایک ایسا آئینہ خانہ سجا دیا گیا جس کو تنقیدی طلسم ہوش ربا کہنے میں لفظیاتی مبالغہ کا الزام نہیں لگ سکتا۔ جمع و تدوین کا لطف اور نفع اسی وقت ہے جب جامع اور مدون کا ذوق جستجو اس کو شہید جستجو کے مقام پر فائز کر دے۔ جو اس حقیقت سے باخبر ہو کہ تنقید بے حد مشکل اور اس سے بڑھ کر نہایت ذمہ دارانہ عمل ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ مدون کو اس

ادراک کی دولت بھی میسر ہو کہ ہر تحریر تنقید کا حکم نہیں رکھتی اور نہ قلم کو بلڈوزر سمجھنے والے کو نقاد کہا جاسکتا ہے۔ جامع کے سامنے موجودہ دور کا یہ المیہ بھی ہو کہ تنقید کی اب جیسی بے حرمتی کسی اور دور میں نہیں ہوئی۔ اس المیہ کی وجہ کا علم و عرفان بھی عام نہیں کہ بنیادی وجہ، خود ساختہ تخلیق کاروں کی سستی شہرت اور سوشل میڈیائی ناموری کی بھوک ہے۔ اس قبیل کے تخلیق کار اپنا خود کا نقاد گڑھ لیتے ہیں۔ تنقید کی دنیا میں سنجیدگی، متانت اور وقار کی جگہ جب ہر سو شور، تماشا اور نمائش کے رنگین سائے مسلسل متحرک ہوں تو پھر سوال تو پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ پچیس برسوں میں ایک بھی ایسی تنقیدی تصنیف وجود میں کیوں نہیں آئی جو نئے امکانات کی بشارت دیتی اور نئے ذہنوں یا نئے افکار کی نمائندگی کرتی ہو۔

جب ایسے تیکھے اور سچے خیالات کی چادر شروع ہی میں سائبان بن جائے تو پھر حالی و شبلی ہوں، آل احمد سرور اور کلیم الدین احمد ہوں، اسلوب احمد انصاری ہوں، وحید اختر ہوں، یا پھر گوپی و فاروقی ہوں، تنقید کی دنیا کی سیر، افلاک ادب کی سیر میں بدل جاتی ہے۔ آل احمد سرور کا مضمون، تنقید کیا ہے؟ کسی قدیم صحیفے کی طرح، نئی نسل کے لیے نئے مطالعے کی ضرورت کے احساس میں جدت کی لذت و نافعیت لیے ہوئے ہے۔ اس مضمون میں ایسے جملے کثرت سے ہیں جو آج بھی ادب و تنقید کی حفاظت کے لیے تعویذی اثر رکھتے ہیں جیسے یہ جملہ کہ جس ادب سے کتابوں کی زیادہ اور تخلیق کی کم مہک آئے وہ چنداں اہم نہیں۔ کتابوں پر مقدمے، ان کی قدر و قیمت متعین کرتے ہیں اور پیشتر قول فیصل بھی پیش کر دیتے ہیں۔ مگر عام طور پر مقدموں میں بالغ نظری سے زیادہ شرافت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ تنقید کے تعلق سے سرورؔ صاحب کے یہ جملے آج بھی سرور آگیں ہیں کہ تنقید، وضاحت ہے، صراحت ہے، ترجمانی ہے، تفسیر ہے، تشریح ہے، تحلیل ہے، تجزیہ ہے۔ یہ قدر ہی نہیں متعین کرتی، ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے، تنقید انصاف کرتی ہے۔ یہ ہر دور کی ابدیت اور ابدیت کی عصریت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وہ بت شکنی بھی کرتی ہے اور بت گری بھی۔ یہ اور اس قسم کی نہایت بیش قیمت تحریروں نے اس شمارہ کو واقعی حد درجہ خاص بنا دیا۔ متقدمین و متوسطین کی تحریروں کے ساتھ جدید تنقیدی رویوں کو سمجھنے اور سمجھانے والی تحریریں بھی ہیں مثلاً ایک عنوان قاری اساس تنقید ہے، یعنی متن محض امکانات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے جسے قاری اپنی تفہیم، تجربے اور تعبیر کی روشنی میں مکمل کرتا ہے۔ جدیدیت کی ژولیدہ بیانی کی الگ پہچان ہے جیسے

یہ کہنا کہ متن جامد نہیں ہوتا بلکہ متحرک اور سیال ہوتا ہے جو ہر قاری کی تفہیم اور پس منظر کے مطابق معانی اختیار کرلیتاہے۔ اردو کی روایتی تنقید کے قاریوں کے لیے اس قسم کی تعبیرات خود کہتی ہیں کہ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ البتہ چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا جیسے شاعرانہ عنوان میں پرانے خیالات کو نئی تعبیرات میں پیش کرنے کی کوشش خوش گوار تاثر سے ضرور ہم کنار کرتی ہے۔

قریب سوا چار سو صفحات پر مشتمل یہ شمارہ، تنقید کے تعلق سے انفرادی شان کی جامعیت اور اہمیت کا خود ہی ایسا گواہ ہے جس کی گواہی میں کوئی شک نہیں۔

ہمیشہ کی طرح ایسے کارآمد، مفید اور جامع شمارہ کی اشاعت کے لیے فاضل مدیر اور ان کا پورا شعبہ، مبارک باد کا قرار واقعی مستحق ہے۔

اس شمارہ کی قیمت: ۱۵۰/روپے ہے۔ پتہ یہ ہے: شعبۂ اردو، فیکلٹی آف آرٹس، بنارس ہندو یونی ورسٹی، وارانسی، یوپی ۲۲۱۰۰۱

**سہ ماہی مجلہ المجیب، حضرت رسول نما بنارسیؒ نمبر، مدیر ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری**

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا علمی واصلاحی ترجمان رسالہ المجیب، برسوں سے دینی علوم ومعارف کی ترویج میں اپنے کارآمد وجود کا اعلان کرتا آیاہے۔ وقتاً فوقتاً اس کے خصوصی شمارے اس کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلۂ زریں میں زیر نظر خصوصی شمارہ بھی ہے جو ایک نامور عالم، محدث، صوفی، مصلح اور مرشد حضرت رسول نما بنارسیؒ کی حیات اور روح پرور سوانح کے جامع مرقع کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، گیارہویں صدی ہجری میں وہ بنارس کی مخصوص فضامیں اسلامی اخلاق وتعلیمات کے روشن مینار بن گئے۔ ان کے والد، عالمگیر کے عہد میں بنارس کے قاضی تھے۔ وطن اصلی غازی پور تھا، لیکن درس وتدریس نے بنارس کی سرزمین ہی کو گویا وطن بنادیا اور پھر علوم ظاہری کی برکتیں، باطنی ترقیوں سے اس طرح ہم آہنگ ہوئیں کہ بیعت، خلافت، خرقہ، اجازت سارے مراحل طریقت سے گزر کر رسول نما جیسے لقب وخطاب سے مشرف ہوئے۔ ان کے خلفاء میں خانقاہ مجیبیہ کے گل سرسبد، تاج العارفین شاہ مجیب اللہؒ نے ان کے سلسلے کو بڑی وسعت دی۔ خاص نمبر میں ان ہی مضامین کو تفصیل اور جامعیت سے پیش کر دیا گیاہے، مضامین کی ترتیب میں خانقاہی آداب کا لحاظ

قابل ذکر ہے، یعنی پہلے باب یا گوشے میں بزرگان رفتگاں کی تحریروں کو شامل کیا گیا۔ بعد کے ذیلی عنوانوں میں سیرت سوانح، تالیفات و مکتوبات، نسبت اویسیت، اساتذہ، مشائخ اور بعض نامور معاصرین اور اوصاف و کمالات کے تحت مضامین ہیں اور ایک حصہ شعری کاوشوں کے لیے خاص ہے۔ مضامین سب کے سب نہایت عمدہ ہیں، ایک مضمون جو شاید سب سے زیادہ مفصل ہے، وہ شاہ نصر احمد قادری کے قلم سے ہے۔ اس سے شاہ صاحب کی یادیں تازہ ہو گئیں اور ایسا محسوس ہوا کہ حضرت رسول نما کے اس تذکرہ میں خود مرحوم صاحب مضمون کا عکس جمیل، سایہ فگن ہے۔ شاہ نصر احمد قادری بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے عمر وفا کرتی تو شاید دور جدید بھی ایک اور رسول نما شخصیت کا شاہد ہو جاتا۔

علم و عرفان کے معانی و حقائق کی تلاش کا مذاق و مزاج رکھنے والوں کے لیے یہ خصوصی شمارہ یقیناً نافع و مفید ثابت ہو گا۔

رسالہ کی بڑی خوبی، طباعت اور حسن ترتیب ہوتا ہے لیکن، پہلے صفحہ پر رسالہ کے تعارف میں ایک جملے کی اجنبیت احساس کی ناخوشگواری کا گلہ کرتی ہے اور وہ ہے ”علوم شرقی واسلامی کا پیئر ریویوڈ، موقر ریفریڈ وانڈیکسڈ مجلہ“۔

خصوصی شمارہ کی قیمت چار سو روپے ہے اور سالانہ زر تعاون تین سو بیس روپے ہے، پتہ یہ ہے: منیجر المجیب، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔

**سہ ماہی مجلہ شیخ العالم، فیضان حضور شیخ العالم نمبر، مدیر اعلیٰ، شاہ آفاق احمد احمدی۔**

اسلامی ہند کی بزم صوفیہ میں ایک نمایاں اور امتیازی شان کی حامل شخصیت شاہ احمد عبدالحق ردولویؒ کی ہے۔ جن کو عام طور پر شیخ العالم کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں ان کو انفرادی مقام حاصل ہوا۔ آٹھویں صدی ہجری میں اسلام کے پیغام توحید کی اشاعت میں انہوں نے ایک عمر گزار دی۔ شاید اسی لیے ایک مضمون نگار نے ان کو پیغمبری عہد کی علامت قرار دیا۔ اودھ کی سرزمین اپنی زرخیزی اور قوت نمو اور اثر پذیری کے ساتھ اپنی اثر انگیزی کے لیے مشہور ہے۔ اسی کے ایک خطہ ردولی کو مخدوم احمد عبدالحق کے وجود نے خلعت شرافت سے اس طرح سرفراز کیا کہ ردولی کے نام کے ساتھ شریف کی صفت گویا لازم ہو گئی۔ صدیاں گزر گئیں، وقت نے کیسے کیسے انقلابات دیکھے اور دکھائے۔ خود مخدوم صاحب نے محمد بن تغلق سے

ابراہیم شاہ شرقی تک بارہ بادشاہوں کا دور دیکھا۔ اس وقت سے اب تک ان کا علمی وروحانی فیض، شخصی اور تحریری روایات کی شکل میں جاری ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال زیر نظر خاص نمبر ہے جس میں چار ابواب میں مخدوم صاحب کے عہد، شخصیت، افکار اور ان کے سلسلہ میں فیوض کا تفصیل سے ذکر ہے، ساتھ ہی منظومات، واردات اور مکتوبات کے عنوان کے تحت بھی منتخب تحریریں آگئی ہیں۔ مدیر مسئول محمد شرافت حسین سعیدی کے ابتدائیہ میں بڑی خوبی سے بتادیا گیا کہ تصوف اور تفقہ دونوں کا اجتماع ایک صوفی کامل یعنی مکمل اسلامی شخصیت کی پہچان ہے۔ اس کی ایک جامع مثال، خواجہ اجمیری کی شخصیت رہی ہے۔ خواجہ صاحب کی تعلیمات میں مخدوم صاحب نے نئی روح پھونکی، گویا وہ سلسلہ چشتیہ کے مجدد ہوئے۔ کمالات روحانیہ میں وہ اور بھی اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے، بتایا گیا کہ نماز کے وقت حضرت کا خادم تین بار غالباً نام اور مقام کی نسبت سے حق حق حق کا نعرہ بلند کرتا، پہلی آواز پر عالم لاہوت سے عالم جبروت میں، دوسری آواز سے عالم ملکوت میں اور پھر عالم ناسوت میں تشریف لاتے۔ تصوف کے اس جیسے دوسرے تمام مقامات کی حقیقت کو سمجھنے والے اب وہ اہل دل کہاں جو مسلم حکومتوں میں فراواں تھے۔ مگر مقامات کے حقائق، وقت کے پابند کب رہتے ہیں۔ غالباً اسی لیے اس قسم کی روایات کے اظہار میں تکلف مانع نہیں۔

اس ابتدائیہ نے بتادیا کہ آنے والے مضامین کا پایہ کتنا بلند ہے۔ ایک مقالہ احمد جاوید صاحب کے قلم سے ہے۔ اس میں روایتی اسلوب نے جس خوبی سے طرز جدید کو اپنایا وہ واقعی داد طلب ہے، مخدوم صاحب کے زمانہ کے مسلمانوں کی کیفیت میں لکھا کہ ”سلطنت دہلی کے زوال اور تیمور کے ہاتھوں مسلمانوں کو پامال کرنے پر لوگ خون کے آنسو روتے تھے لیکن اپنی اخلاقی حالت پر نظر کرنے سے قاصر اور باہم دست و گریباں بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے“۔ ایسے میں شیخ العالم نے اصلاح احوال کے ہر ذریعہ کو اختیار کیا۔ تذکروں کو ذکر میں بدلنے کا یہی انداز ہونا چاہیے۔ اور شاید یہ اثر ہے مدیر اعلیٰ کی شخصیت کا جنھوں نے خود بھی مخدوم صاحب کی سماجی و علمی خدمات کو موضوع سخن بنایا۔ دوسرے تمام مضامین بھی تذکرۂ اولیاء کے نئے اسالیب کی علامت نظر آتے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے اور سلاسل کے تعلق سے بھی مضامین بڑے کارآمد ہیں۔ شیخ عارف الدین صابری میرٹھی کا مضمون بطور ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے جنھوں نے مخدوم صاحب

کے سلسلہ کے فروغ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء کا تذکرہ و تجزیہ عمدہ انداز میں پیش کیا۔ اور مولانا عبدالسمیع بیدل، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا شاہ افضل بخاری، پیر مہر علی شاہ وغیرہ کئی ایسے بزرگوں کے احوال، چشتیہ صابریہ سلسلے کے تعلق سے اور بلند تحقیقی معیار سے پیش کر دیے جن سے واقفیت کم ہی ہے۔ انہوں نے بدلائل ثابت کیا کہ شیخ العالم اور ان کے سلسلے کو حاجی صاحب نے عالمی سطح پر روشناس کرایا۔ دوسرے تمام مضامین بھی یہی خوبی و خاصیت رکھتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تاریخ سے واقفیت کے لیے یہ خاص شمارہ، خاص اہمیت کا حامل ہے۔ زر سالانہ تین سو روپے ہے، پتہ یہ ہے: چشتیہ ایجوکیشنل سوسائٹی، خانقاہ حضرت شیخ العالم، ردولی شریف، ضلع فیض آباد، یوپی ۲۲۴۱۲۰

**دوماہی فکر اسلامی، اشاعت خاص، مفتی شکیل احمد قاسمی نمبر، مدیر مولانا محمد اسعد قاسمی۔**

دارالعلوم دیوبند کے نامور فاضل اور بعد میں وہاں کی مسند تدریس کو زینت بخشنے والوں میں مولانا محمد شکیل قاسمی سیتاپوری کی ذات والاصفات بھی ہے۔ ان کی شہرت کی خوشبوان کے کارناموں کی نسبت سے، زیادہ نہیں پھیل سکی لیکن وہ جس علاقے میں رہے اس میں وہ شہرت ہی نہیں، عزت وعقیدت کے مقام بلند پر فائز رہے۔ بستی کی نیک نام بستی کے مشہور دینی تعلیمی ادارے دارالعلوم الاسلامیہ کے زمانہ تدریس میں مولانا قاسمی کے اصل جوہر کھلے، ان کی خطابت نے بے شمار لوگوں کو راہ راست کی توفیق بخشی۔ بقول مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ "ان کی تقریروں میں دعوت، تبلیغ اور اصلاح کے ساتھ سحر انگیزی ہے"۔ ان کی تقریریں معلومات کا خزانہ ہوتی تھیں۔ ۲۰۲۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ دارالعلوم بستی سے ان کے گہرے تعلق اور ان سے وابستہ یادوں کا تقاضا تھا کہ ان کی شخصیت کے قابل تقلید پہلوؤں کو یک جا کیا جائے۔ یہ شمارہ اسی ادائے فرض اور قرض کی عمدہ شکل ہے۔ جس میں فاضل مدیر کے مفصل مضمون کے علاوہ کئی مشاہیر اہل قلم کی نگارشات ہیں اور یہ مرحوم کے لیے بہترین خراج عقیدت بھی ہیں۔

سالانہ زر تعاون ۲۰۰ روپے ہے، پتہ اس طرح ہے: مرکز دعوت وارشاد، دارالعلوم الاسلامیہ، بسی، یوپی

(محمد عمیر الصدیق ندوی)

## تبصرۂ کتب

**عارف عزیز، ڈاکٹر مرضیہ عارف، یہ نصف صدی کا قصہ ہے: متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۴۴۸، قیمت ایک ہزار روپے، سن اشاعت: ۲۰۲۵ء، پتہ: عزیز پبلی کیشنز، ۲۰-گھاٹی بھڑبھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال، موبائل مصنف: ۹۴۲۵۶۷۳۷۶۰**

اردو صحافت کی دنیا میں بھوپال کے اخبارات، ندیم، افکار، الحمرا، آفتاب جدید، بھوپال ٹائمز وغیرہ کی علاقائی محدودیت کی وجہ سے وہاں کی صحافت کے بلند معیار اور اس کے موثر کردار پر توجہ کم کی گئی۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ بھوپال نے حکیم قمر الحسن، اشتیاق عارف، محمود الحسینی، محمد مسلم، اشفاق مشہدی جیسے باکمال صحافیوں کی سوغات، اردو صحافت کو عطا کی۔ جو فن صحافت، مدیرانہ مہارت اور سماجی اور سیاسی شعور کی تیاری وتربیت میں غیر معمولی صلاحیتوں کے مظہر تھے۔ ان تمام صحافیوں اور ان کی بلند پایہ روایتوں کی ملک گیر پیمانے پر نمائندگی کا حق ادا کرنے کی توفیق اس خودنوشت کے داستان گو جناب عارف عزیز کو ملی۔ وہ غالباً اردو صحافیوں کی موجودہ دنیا میں درازی عمر کے لحاظ سے سب سے برتر ہیں۔ لیکن یقینی طور پر پچاس برسوں سے ہر دن، مضامین نو کے انبار لگانے میں بھی سب سے نمایاں ہیں۔ نظر کی وسعت اور باریک بینی، واقعات وحادثات کے پس پردہ حقائق پر نگاہ اور پھر قلم کی پختگی کے ساتھ، مذہبی اور ادبی نزاکتوں اور باریکیوں کے بیان میں صحافیانہ سچائی اور امانت داری کا لفظ لفظ میں خیال رکھنے کی مہارت نے ان کو عارف عزیز سے عارف ہر دل عزیز کا مقام عطا کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں انہوں نے اپنی زندگی کے دو تہائی سے زیادہ کے حصہ کو نصف صدی کے قصہ سے تعبیر کیا۔ ابتدائی بیس تیس سال کے احوال، عموماً ہر خودنوشت کی ابتدا کا ضروری حصہ ہوتے ہیں۔ لیکن عارف عزیز صاحب نے ابتدائی تیس سالوں کو صرف تین صفحات میں سمیٹ کر پوری زندگی کو صحافت کے دائرہ میں رکھ کر اس کو ایک کائنات میں بدل دیا۔ بھوپال کی سیاسی، سماجی اور سب سے بڑھ کر اس کی علمی وادبی سرگرمیوں کی اتنی چشم دید روداد یں شاید ہی کہیں اور مل سکیں۔ علماء، مشائخ، ادیب، شاعر، سیاست داں، اجتماعات، جلسے، مذاکرے، مشاعرے، جب یادوں کی بارات کا حصہ بنے تو اس میں ملک بھر کی رودادوں اور تبصروں کی شمولیت نے بھوپال کو گویا پورے ملک کے دامن پر پھیلا دیا۔ اسی لیے قاری کی قسمت میں اس نصف صدی کے قصہ کو قدیم داستانی رنگ میں دیکھنے کا لطف بھی شامل ہو گیا۔ اس میں دارالمصنّفین کے صدی سمینار کا بھی ذکر ہے۔ جس میں ماضی

اور حال دونوں کی جھلکیاں، تجلیوں میں بدل گئیں۔یہی حال رابطہ ادب اسلامی کے سمیناروں کا ہے جن کو انھوں نے تاریخ ساز کی تعبیر سے یاد کیا۔ ایک سچا صحافی، کتنا ہمہ گیر ہو سکتا ہے، اس کا صحیح اندازہ اس نصف صدی کے قصے سے کیا جا سکتا ہے۔ بھوپال ہی نہیں نصف صدی کی ملکی تاریخ کے لیے یہ خودنوشت، ایک کارآمد مرجع بننے کا بھی اعلان کرتی ہے۔ (عمیر الصدیق ندوی)

**سید انوار صفی (مرتب) سنگ زر، صفحات ۱۳۶: خانقاہ سہروردیہ چشتیہ، الٰہ آباد (پریاگ راج)، ۲۰۲۴ء، قیمت: ۲۵۰ روپے۔ موبائل نمبر و ای میل درج نہیں۔**

الٰہ آباد یونیورسٹی کی سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی پروفیسر صالحہ رشید کی اکثر کتابیں تفہیم، محاضرات، نسوہ، عزلت، مستورات، جدوجہد آزادی وغیرہ مختلف موضوعات پر لکھے گئے ان کے مقالات کا مجموعہ ہیں۔ زیرنظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کو ان کے ایک حوصلہ مند شاگرد نے صاحب کتاب کے بھرپور تعارف کے ساتھ مرتب کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

اس میں کل ۱۸ علمی و ادبی مقالات شامل ہیں۔ ابتدا میں پانچ اور آخر میں سات مقالات ہیں۔ ان کے درمیان پانچ مشہور ناول و افسانہ نگاروں ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، احمد حسنین رضوی اور انتظار حسین وغیرہ کے بعض ناولوں اور افسانوں کے مجموعوں کی قدر و قیمت اور اہمیت پر ناقدانہ تبصرے ہیں۔ پہلے مقالے میں عہد حاضر کی فارسی شاعری کی جہات پر دلچسپ گفتگو کی ہے۔ اس سے ایرانیوں کے فارسی ادب کے لگاؤ اور رجحانات کے ساتھ ساتھ خود مصنّفہ کی اس موضوع پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایرانی تصوف اور مولانا جلال الدین رومی میں ایرانی تصوف کے دو منفی اور مثبت پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے مثنوی معنوی کو ایران کے ذوق عرفان کا شاہکار قرار دیا ہے۔ ان کی یہ بے دلیل رائے کہ ”مثنوی میں لفظی آرائش اور عروض و قافیہ کی قید و بند پر خاص توجہ نہیں دی گئی ہے، کہیں کہیں تو قافیے میں ہم آہنگی نہیں ہے“ کتنی اہم ہے یہ تو ارباب فن ہی بتا پائیں گے۔ الٰہ آباد کے ”چند بستہ بند شہیدان آزادی“ نامی مقالہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اسٹیٹ آرکائیوز، پریاگ راج کے دستاویزی حوالے سے ایسے تقریباً پچاس الٰہ آبادی شہداء علی بخش، علی شیر، بدلو، دیوی چند، دیوی، دوراکا، عماد علی اور غلام شیخ وغیرہ کے نام عام ہوئے جنہیں انگریزوں کے خلاف بغاوت کے جرم میں تختۂ دار پر چڑھایا گیا۔ ان کا یہ انکشاف بھی قابل ذکر ہے کہ اس وقت کی عدالتی زبان نستعلیق میں تحریر کی گئیں ایسی لاتعداد فائلیں الٰہ آباد اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہیں جو اپنے پڑھے جانے کی منتظر ہیں۔ بعض مقالات مثلاً ہندوستان میں لسانی مساوات

اور اردو زبان، آئی اے ایس مقابلہ جاتی امتحانات اور مسلم اقلیت اور شکدیو کا سائنسی مشن وغیرہ پروفیسر صالحہ رشید کی لسانی، سائنسی، قومی وملی مسائل وامور سے دلچسپی کا مظہر ہیں۔ ستیہ میو جیتے نامی مقالے میں انہوں نے ۲۰۰۲ء میں دہشت گردی کے الزام میں ماخوذ بعض مسلم نوجوانوں کی ۲۰۱۴ء میں رہائی پر سپریم کورٹ کے تاریخ ساز فیصلے کا خیر مقدم کیا اور لکھا کہ ہم ہندوستانی ہیں اور ستیہ میو جیتے میں ہمارا یقین ہے۔ ایران میں قاجاری خاندان کی حکومت ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۵ء تک رہی۔ اس عہد میں فارسی صحافت کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ وقائع اتفاقیہ، روزنامہ دولت، مریخ، تربیت، الحدید، احتیاج اور ادب جس میں اچھے علمی مقالوں کے تراجم شائع ہوتے تھے اس وقت کے اہم اخباروں میں تھے۔ ۱۹۰۰ء میں معارف نام کا ایک اخبار شائع ہوا جس میں سیاست کے بجائے تعلیم اور درسگاہوں سے متعلق خبریں ہوتی تھیں۔ مصنّف نے بعض اخبارات کی پالیسی پر بھی گفتگو کی ہے کہ ان میں کس قسم کی خبروں کی اشاعت کی اجازت تھی۔ علی سردار جعفری کی فکری نہج اور عیش سلطان پوری کی شاعرانہ روش اور سب سے آخر میں نیاز جیراجپوری کی نظموں پر ان کی نظر سرسری ہی سہی مگر کام کی باتوں تک پہنچی ہے۔ مضامین کی افادیت، تنوع اور بوقلمونی میں کوئی شبہ نہیں۔ اس سے مصنّفہ کی ہمہ گیر علمی وادبی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ اہم مقالات میں حوالوں کا التزام کر کے ان کی استنادی حیثیت کو مزید مستحکم کیا جاسکتا تھا۔ (کلیم صفات اصلاحی)

**خلیل زاہد، سجدوں سے محروم مسجدیں، اخبارِ عالم پبلیکیشنز، ممبئی، ۲۰۲۴، صفحات: ۱۹۲، قیمت: ۱۵۰ روپے۔ ٹیلیفون: ۲۳۷۴۷۸۲۸-۰۲۲**

ہندوستان کا معاصر سماجی اور سیاسی منظر نامہ مسلم اوقاف اور تاریخی عبادت گاہوں کے حوالے سے شدید اضطراب اور قانونی ودستاویزی بحثوں کی زد میں ہے۔ بابری مسجد کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ملک بھر میں متعدد تاریخی مساجد کی شرعی اور قانونی حیثیت کو تبدیل کرنے کی جو مہم شروع ہوئی ہے اس نے مسلم آثار کی حفاظت کے مروجہ طریقوں اور ان کے تاریخی پس منظر کے از سر نو جائزے کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ مدھیہ پردیش کے ضلع دھار میں واقع تاریخی ''کمال مولیٰ مسجد'' (بھوج شالہ) کا حالیہ قضیہ، جہاں مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (ASI) کی رپورٹ کو بنیاد بنا کر اسے دسویں صدی کا سرسوتی مندر قرار دیا، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ایسے دور میں، ممتاز تفتیشی صحافی خلیل زاہد کی تصنیف ''سجدوں سے محروم مسجدیں'' ایک اہم اور بروقت دستاویزی کوشش ہے۔

مصنف خلیل زاہد اردو صحافت کا ایک معتبر اور تجربہ کار نام ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء کی دہائی

میں روزنامہ انقلاب (ممبئی) سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور بعد ازاں آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس، قومی آواز اور ہفت روزہ اخبارِ عالم جیسے اداروں میں تفتیشی صحافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ ان کا یہ پس منظر زیرِ نظر کتاب کو محض جذباتی بیانیے کا مجموعہ بننے سے روکتا ہے اور اسے آرکائیوز، گزیٹیئرز اور واقعاتی احوال پر مبنی ایک مستند دستاویز کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ سینیئر صحافی شکیل رشید نے کتاب کے تعارف میں مصنف کی خدمات کا بجا اعتراف کیا ہے۔

کتاب کا موضوع ہندوستان بھر کی ان مساجد، عید گاہوں اور مقابر کا تاریخی و دستاویزی مطالعہ ہے جو یا تو عصبیت پسندانہ مناقشات کی زد میں ہیں یا تقسیمِ ہند کے بعد مسلمانوں کی کثیر ہجرت کے باعث غیر آباد ہو چکی ہیں، یا پھر آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (ASI) کے قوانین کے دوہرے معیار کی وجہ سے نماز سے محروم کر دی گئی ہیں۔ مصنف نے کتاب میں ملک بھر کی چالیس ایسی اہم مساجد کا تفصیلی دستاویزی اور عینی جائزہ پیش کیا ہے جو اس وقت مختلف نوعیت کے تنازعات یا حکومتی تحویل کی وجہ سے سجدوں سے محروم ہیں۔ کتاب میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ اس وقت ملک میں تقریباً ۲۸۶ مساجد مرکزی حکومت اور آثارِ قدیمہ کے تحفظ میں ہیں، جن میں سے محض ۱۳۶ مساجد میں نماز کی اجازت ہے، جبکہ ۱۵۰ تاریخی مساجد میں عبادت پر پابندی عائد ہے۔ کتاب میں فراہم کردہ صوبہ وار اعداد و شمار کے مطابق، ان محصور مساجد میں سب سے زیادہ تعداد اتر پردیش (۵۲)، گجرات (۵۱)، میسور / کرناٹک (۴۶)، دہلی (۲۸)، مدھیہ پردیش (۱۶) اور مغربی بنگال (۱۳) کی ہے۔ مصنف نے اس انتظامی رویے پر گہری تنقید کی ہے کہ ملک میں برطانوی دور یا قدیم راجاؤں کے دور کے متعدد مندر اور گرجا گھر بھی آثارِ قدیمہ کے تحت "محفوظ" ہیں، لیکن ان میں سے کسی جگہ بھی پوجا یا عبادت پر پابندی نہیں ہے۔ یہ امتیاز صرف مساجد کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔

کتاب کے مندرجات معاصر تنازعات کے تاریخی پس منظر کو واضح کرتے ہیں۔ مدھیہ پردیش کے ضلع دھار کی "بھوج شالہ عید گاہ مسجد" (کمال مولیٰ مسجد) کے حوالے سے مصنف نے تاریخی حقائق کو پیش کیا ہے۔ تیرہویں صدی میں مالوہ سلطنت کے عروج کے زمانے میں صوفی بزرگ حضرت کمال شاہ کے قائم کردہ اس مرکز اور مسجد پر پہلی بار برطانوی دور میں ۱۹۰۴ء میں ہندو تنظیموں نے دعویٰ کیا، جسے برطانوی انتظامیہ نے مسترد کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد، یکم مئی ۱۹۵۲ء کو دھار کے ضلع مجسٹریٹ نے ایک حکم نامہ جاری کیا تھا کہ یہ احاطہ یکطرفہ طور پر کسی ایک فریق کو منتقل نہیں کیا جا سکتا، البتہ مسلمانوں کو نمازِ جمعہ کی ادائیگی کی رعایت دی گئی تھی۔ مسجد کے

مشرقی حصے پر موجود ۷ا جنوری ۱۴۰۵ء (عہدِ دلاور خان غوری) کی کتبہ تحریر اور عہدِ جہانگیری میں اسے "جامع مسجد" کے نام سے پکارے جانے کی سرکاری شہادتیں اس کے خالص اسلامی تشخص کو ثابت کرتی ہیں۔ مصنف نے ان معاصر تنازعات کو ۱۹۹۱ء کے پلیسز آف ورشپ ایکٹ کی روح کے منافی قرار دے کر عدالتی فیصلے کے تضادات کو نمایاں کیا ہے۔

خلیل زاہد نے کتاب میں تاریخ کے ان اہم گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے جو عام طور پر مروجہ مباحث سے اوجھل رہتے ہیں۔ بابری مسجد کے المیے پر گفتگو کرتے ہوئے وہ اودھ کے چیف کمشنر اور برطانوی سروے افسران کے ۱۸۵۹ء تک کے سرکاری کاغذات کا حوالہ دیتے ہیں، جہاں اس مقام پر کسی تنازع کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "جنم استھان" کا پورا افسانہ دراصل انیسویں صدی کے ایک بودھ نجومی کے ذہن کی ایجاد تھا، جسے انگریزوں نے اپنی "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی سیاسی حکمتِ عملی کے تحت استعمال کیا۔ اس کے برعکس، مصنف نے مغربی بنگال کے دارالحکومت کولکاتا کی "بنگالی بابری مسجد" کا ایک اچھوتا اور حیرت انگیز انکشاف کیا ہے، جس کا انتظام پچھلے سوا دو سو سال سے ایک ہندو ٹرسٹ (ماربل پیلیس ٹرسٹ) کے ہاتھوں میں ہے۔ اٹھارہویں صدی میں راجہ راجندر ملک نے جب اپنا محل (ماربل پیلیس) تعمیر کروایا، تو وہاں خاندانی دیوتا جگناتھ کے مندر کے بالکل سامنے یہ خوبصورت مسجد بھی تعمیر کروائی تاکہ یہ مقام بین المذاہب رواداری کا مرکز بن سکے۔ یہ تقابل ظاہر کرتا ہے کہ جہاں ایک طرف مساجد کو سیاسی اکھاڑہ بنایا جا رہا ہے، وہیں دوسری طرف ملک میں ہندوستانی رواداری کی مستند مثالیں بھی موجود ہیں۔

کتاب کا ایک اہم پہلو مسلم سلاطین پر عائد انتہا پسندی کے الزامات کا علمی ابطال ہے۔ سلطان محمود غزنوی کے سومناتھ مندر پر حملے کے محرکات پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ مہم خالصتاً دولت کی لوٹ مار کے لیے تھی، اسے مذہبی جنگ قرار دینا تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ اگر غزنوی کا مقصد بت شکنی ہوتا، تو وہ افغانستان میں بامیان کے مقام پر گوتم بدھ کے مجسموں کو مسمار کرتا، جن کی اس کے دور میں باقاعدہ حفاظت کی گئی۔ مزید برآں، غزنوی کی اس فوج میں ۳۵ فیصد ہندو سپاہی شامل تھے اور اس کے بارہ اہم ترین جنرلوں میں سے پانچ ہندو جنرل اس مہم میں شریک تھے۔ اسی طرح، عصبیت پسند سیاست کے برعکس، تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ دکن کے مسلم حکمران ابراہیم عادل شاہ دکنی (۱۵۳۴ء تا ۱۵۵۷ء) نے فارسی کے مقابلے میں مقامی مراٹھی زبان کو پہلی بار سرکاری و دفتری زبان کا درجہ دیا اور مقامی آبادی کے لیے ملازمتیں مختص کیں۔

مصنف نے واضح کیا ہے کہ تاریخ میں عبادت گاہوں کا مسمار ہونا مذہبی جنون سے زیادہ اقتدار

کے سیاسی استعمال کا نتیجہ تھا؛ یہی وجہ ہے کہ جہاں وجیا نگر کے راجا نے احمد نگر پر قبضہ کر کے مساجد کو نشانہ بنایا (جس پر بعد میں مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر سے احتجاج کیا)، وہیں شاہجہاں کے دور میں ان مساجد کو دوبارہ واگزار کرایا گیا جن پر مقامی راجاؤں نے قبضہ کر لیا تھا۔ کتاب میں وادیٔ کشمیر کی مشترکہ تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ہندوؤں کی مقدس امرناتھ گپھا کی کھوج ایک مسلم چرواہے نے کی تھی، اور کس طرح تولہ مولا میں راگنی دیوی (کھیر بھوانی) کے مندر پر قبائلی حملے کے وقت مقامی مسلمانوں نے اس کی حفاظت کی تھی۔ کلکتہ کے ایک پروفیسر کے تاریخی اقتباس سے مصنف نے یہ نتیجہ مرتب کیا ہے کہ مسلمانوں نے اسی دھرتی کو اپنا وطن بنایا، وہ انگریزوں کی طرح یہاں کی دولت سمیٹ کر بیرون ملک نہیں لے گئے، بلکہ پنڈت نہرو کے بقول اسلام ہندوستان کا اپنا ملکی مذہب بن چکا ہے۔

یہ تصنیف اپنے مقصد اور چالیس مساجد کے دستاویزی احاطے کے اعتبار سے بلاشبہ لائقِ تحسین ہے، تاہم اس کے منہاجِ تحقیق پر چند علمی و تجزیاتی پہلو غور طلب ہیں:

اولاً، کتاب میں محکمہ آثارِ قدیمہ (ASI) کے تحت محصور مساجد کے جو اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں، وہ بنیادی طور پر لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بالترتیب ۱۹۸۳ء اور ۱۹۹۳ء میں پوچھے گئے سوالات کے سرکاری جوابات پر مبنی ہیں۔ چونکہ اب اس ڈیٹا کو چالیس برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ اس لیے یہ اعداد و شمار تاریخی تسلسل میں اب قدیم ہو چکے ہیں۔ موجودہ دور میں آثارِ قدیمہ کے تحت محفوظ مقامات کی نئی درجہ بندی اور حالیہ نوٹیفکیشنز کے بعد ان مساجد کی اصل اور حالیہ تعداد اس سے مختلف ہو چکی ہے، جس کی تازہ ترین سرکاری دستاویزات کی روشنی میں تجدید (Update) کی ضرورت ہے۔

ثانیاً، یہ تصنیف بنیادی طور پر ایک تفتیشی صحافی کے قلم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس کا اسلوب علمِ تاریخ کے روایتی اکیڈمک تقاضوں کے بجائے صحافتی منہاجِ تحقیق سے زیادہ قریب ہے۔ صحافت کا مروجہ اصول واقعاتی اثر پذیری اور فوری دستاویزی شہادت ہوتا ہے، جبکہ تاریخ نویسی مآخذ کے سرد مہر تجزیے اور باقاعدہ حواشی و تعلیقات کا تقاضا کرتی ہے۔ چونکہ مصنف کا بنیادی مقصد ایک سنگین معاصر مسئلے پر فوری دستاویزی بیداری پیدا کرنا تھا، اس لیے کتاب میں مروجہ تحقیقی اصولوں کے مطابق حوالہ جات شامل نہیں ہو پائے ہیں، تاہم اس کی تلافی مصنف کے ان ذاتی مشاہدات اور واقعاتی ثبوتوں سے ہو جاتی ہے جو انہوں نے میدانِ عمل میں اتر کر اکٹھے کیے ہیں۔

اکیڈمک ترجیحات کے اس فرق کے باوجود یہ کتاب موجودہ دور میں ایک عمدہ نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتی ہے۔ معاصر ہند میں مسلمانوں کے قدیم آثار، مساجد، مقابر اور وقف املاک کو جدید سائنسی اور ڈیجیٹل بنیادوں پر ڈاکیومنٹ کرنے کی اشد ضرورت ہے، اور یہ کتاب اس طویل تحقیقی سفر کی پہلی اہم دستاویزی اینٹ قرار دی جاسکتی ہے۔

خلیل زاہد کی یہ تصنیف عصرِ حاضر کی ایک بڑی دستاویزی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ کتاب کا اسلوب سادہ اور بیانیہ ہے۔ٹھوس موضوع کے انتخاب کے اعتبار سے یہ کتاب ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔مسلم اوقاف، مساجد کی تاریخ اور معاصر آرکائیوز سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ (غالب شمس۔mohdghalibshams@gmail.com)

**مولانا جلیل احسن ندویؒ، تدبر قرآن پر ایک نظر، ترتیب و تعلیق: مولانا نعیم الدین اصلاحی، ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ، جدید اشاعت ۲۰۲۴ء، قیمت ۲۲۵روپیہ، ایمیل: idaraelmiya@gmail.com**

مولانا جلیل احسن ندویؒ (۱۹۱۳-۱۹۸۱ء) چاند پٹی کے پاس واقع گاؤں ''کرمینی'' ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ مدرسۃ الاصلاح کے بعد دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی جہاں شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کی تعلیم وتربیت سے ان کے اندر عربی ادب کا خاص ذوق پیدا ہوا۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں قیام کے دوران اس ذوق میں مزید اضافہ ہوا۔ ندوہ میں ان کو مولانا عبد الرحمن کاشغری اور مولانا محمد ناظم ندویؒ جیسے جدید ادب عربی کے ماہر اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔[1]

بے شمار طلبہ نے ان سے استفادہ کیا۔ ان میں ڈاکٹر عنایت اللہ سبحانی اور مولانا نعیم الدین اصلاحی سابق استاذ تفسیر جامعۃ الفلاح شامل ہیں۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ نے جس طرح ''تدبر قرآن'' پر تنقیدی نگاہ ڈالی، ایسے ہی ''تفہیم القرآن'' پر بھی جو تنقیدیں کیں وہ ان کی قرآنی بصیرت کی دلیل ہیں[2]۔

مولانا مرحوم نے چند اہم علمی کتابیں بھی تحریر کیں، مثلاً:

۱. راہِ عمل (۱۴۳۲) (احادیث)۔

---

(۱) مولانا حبیب الرحمن اعظمی، تذکرہ علماء اعظم گڑھ، ص ۴۷-۴۸

(۲) مولانا ندویؒ نے ماہنامہ زندگی رام پور (ستمبر ۱۹۸۱ء) میں ''تقصیرات تفہیم پر ایک اچٹتی نظر'' کے عنوان سے یہ تنقید لکھی ہے۔

۲. سفینۂ نجات (۱۴۳۸) (احادیث)

۳. زادِ راہ (۱۴۵۰) (احادیث)۔[۳]

۴. نقوشِ راہ: مرتب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی: اس میں ان کے متعدد، دروسِ قرآن کو جمع کیا گیا ہے۔

۵. نقوش و تاثرات: (مضامین کا مجموعہ)۔[۴]

۶. جمہرۃ اشعار العرب، پر مختصر حواشی (قلمی)

۷. لغات قرآن عربی (الف سے ت ہی تک کام ہو سکا)۔

۸. تدبر قرآن پر ایک نظر

ان کے علاوہ مولانا مودودیؒ کی چند کتابوں کا عربی ترجمہ دارالعروبۃ پٹھان کوٹ کے ڈیڑھ دو سالہ قیام کے دوران کیا تھا۔ ان کتابوں میں قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، اسلام کا نظام حیات، اور اسلامی اقتصادی نظام شامل ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ نے ان کے متعلق بجا لکھا ہے کہ جس پایہ کے وہ عالم تھے اس اعتبار سے انہیں کام کے مواقع میسر نہ آ سکے۔[۵]

زیرِ تبصرہ کتاب "تدبر قرآن پر ایک نظر" مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر قرآن کی کئی جلدوں کے تنقیدی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ مولانا ندویؒ کے یہ تنقیدی مضامین پہلے ماہنامہ زندگی رام پور میں ۱۷ ر قسطوں میں "نظرات" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ پہلی قسط نومبر ۱۹۸۲ء، اور آخری اگست ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح سورہ انعام اور سورہ اعراف کے بارے میں "نظرات تدبر قرآن" کے عنوان سے جامعۃ الفلاح کے ماہنامہ ترجمان "حیات نو" کی تین قسطوں (ستمبر ۱۹۸۷ء- نومبر ۱۹۸۷ء) میں شائع ہوئے۔ مولانا ندویؒ کے ان مضامین کا مجموعہ "تدبر قرآن پر ایک نظر کے" نام سے ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح سے پہلی بار ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ اس نئے ایڈیشن میں جو اضافے ہوئے ہیں ان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے:

---

[۳] یہ تین مجموعہائے احادیث بہترین ترجمے اور عمدہ تشریح کی بنا پر بہت مقبول ہوئے۔ یہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی اور ذکریٰ رام پور سے شائع ہوئے۔

[۴] یہ مجموعہ ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح سے شائع ہوا۔

[۵] تذکرہ علماء اعظم گڑھ، ص ۴۷۸

۱. زیر بحث آیات کو مکمل نقل کیا گیا ہے۔
۲. تنقید کا جو حصہ چھوٹ گیا تھا، اس کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔
۳. مولانا کے بعض ایسے دروس کو اس کتاب میں بطور اقتباس شامل کیا گیا ہے، جو متعلقہ آیات پر مشتمل تھے۔
۴. اشاریہ معانی الفاظ کے علاوہ منتخب کتابیات کی فہرست بھی شامل ہے۔
۵. مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا وہ خط جو انہوں نے تدبر قرآن پر نظر ثانی کے سلسلے میں مولانا جلیل احسن ندوی کو لکھا تھا اس کو بھی نقل کیا گیا ہے۔[۶]

اس نئے ایڈیشن میں سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف اور سورۃ الفتح (آیت:۲۹) تک کے مباحث شامل ہیں۔ بقیہ سورتوں پر انہیں تنقیدی نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا ورنہ یہ بڑی عظیم قرآنی خدمت ہوتی۔ اور یہ کام انہوں نے مولانا اصلاحیؒ کی ایما پر کیا تھا، جیسا کہ خود وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

میں "تدبر قرآن" پر نظرات نہ لکھتا، اگر انہوں نے بلا طلب اجازت نہ دی ہوتی۔ جس طرح دوسری تفسیروں پر اب تک کوئی گفتگو نہیں کی ہے ..... ہر تفسیر کی خصوصیات جدا ہوتی ہیں۔ سب میں طالب کو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔ غلطیوں اور تسامحات کو بشری کمزوری جاننا چاہیئے۔[۷]

اس تبصرے میں کہیں کہیں ان پر جذباتیت غالب آگئی ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کریں:

مولانا موصوف نے صاحبِ کشاف کی تاویل اختیار کی ہے اور ادعائی انداز میں اپنی مختار تاویل پیش کی ہے اور اپنی تاویل سے مختلف تاویل اختیار کرنے والوں کا تخطیہ کیا ہے.... سوال یہ کہ الفاظِ قرآن سے امینی (مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف اشارہ ہے) تاویل کہاں وضاحت سے نکلتی ہے؟ اور کیسے معلوم ہوا کہ دوسروں نے جو تاویل پیش کی ہے، انہوں نے معنیٰ حقیقی سے انحراف کیا ہے؟ اور آپ نے جو معنیٰ لیے ہیں وہ حقیقی معنی ہیں؟'[۸]

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (سورۃ البقرۃ:۲) میں ذٰلک پر مولانا ندویؒ کی تنقید

---

[۶] تدبر قرآن پر ایک نظر، جدید ایڈیشن، ص ۱۴

[۷] حوالہ سابق ص ۱۸

[۸] تدبر قرآن پر ایک نظر ص ۲۱۰

لائق توجہ ہے۔ پہلے تدبر قرآن کا ترجمہ نقل کیا ہے: ”یہ کتاب الٰہی ہے، اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لیے“۔ اس کے بعد ان الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

...پس ذلک کا ”یہ“ سے ترجمہ کرنا درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ ذلک کا اشار سورہ کی طرف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ذلک کا ترجمہ ”وہ“ سے کیجیے اور اس سے سورہ کے نام کی طرف اشارہ نہ مانیے، بلکہ اس کتاب کی مانیے جس کا اہل کتاب بالخصوص یہود انتظار کر رہے تھے... انہیں سرزنش کی جا رہی ہے۔ کہا یہ جارہا ہے کہ:

وہ کتاب جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور جس کی آمد کے تم منتظر تھے، وہ یہی کتاب ہے۔ اس کے ”وہی کتاب“ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، وہ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

عربی خواں حضرات کے لیے یہ عبارت مدعا کو سمجھنے کے لیے زیادہ ممد و معاون ہوگی ”ذلک الکتاب الموعود المنتظر ھو ھٰذا الکتاب“[۹]

آگے مزید لکھا ہے کہ میرے علم کی حد تک کسی نے ”یہ“ ترجمہ نہیں کیا سوائے تیسر القرآن کے مصنف (مولانا صدرالدین اصلاحیؒ) کے۔[۱۰]

مولانا ندویؒ نے تدبر قرآن پر جو تنقیدیں کی ہیں، ان میں ان کی رائے کا دخل کم ہے، زیادہ تر مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کی آراء ہیں جیسا کہ مولانا سید عروج قادریؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک گرامی نامہ میں ایک بات لکھی تھی، اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے الفاظ درج ذیل ہیں: ”میری اپنی رائے کا حصہ بہت کم ہے۔ مولانا اختر احسن رحمہ اللہ کا فیضان زیادہ ہے، مگر میں نے ان نظرات میں ان کا حوالہ نہیں دیا ہے، تاکہ ”صاحب تدبر“ اس عاجز طالب علم کی پیش کردہ رائے پر غور کریں“۔[۱۱]

(فضل الرحمن اصلاحی)

**تذکرہ فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، مرتب: مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند، نئی دہلی ۲۰۲۳، صفحات: ۹۴۴، قیمت: ۱۰۰۰ روپے۔**

---

[۹] حوالہ سابق ص ۲۲

[۱۰] حوالہ سابق ص ۲۲

[۱۱] حوالہ سابق ص ۸

۲۰۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام کو سو برس مکمل ہوئے۔ جمعیۃ علماء ہند صدی تقریبات کی مناسبت سے اس دوران اکابر علماء جمعیۃ کے بارے میں متعدد سیمینار دہلی اور بنارس میں منعقد ہوئے۔ ان سمیناروں میں پیش کیے گئے کئی اہم مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں، مثلاً: تذکرہ حضرت محدث الاعظمیؒ (مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ)، تذکرہ سید الملت (مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ) وغیرہ۔ اسی کی ایک کڑی زیر تبصرہ کتاب ''تذکرۂ فخر المحدثین'' بھی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں صدر مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ تھے۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد و تربیت یافتہ تھے۔ وہ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کے انتقال کے بعد ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۲ میں اپنی وفات تک جمعیت کے صدر رہے۔ ۲۲-۲۳ دسمبر ۲۰۲۲ء کو دہلی میں ایک سیمینار کا انعقاد ان کی شخصیت پر ہوا۔ اس سمینار میں ملک کے بہت سے اہل قلم نے مقالے تحریر کیے۔ ان میں چند معروف نام یہ ہیں: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، مولانا ندیم الواجدیؒ، مفتی محمد سلمان منصورپوری اور مولانا محمد سلمان بجنوری (مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) وغیرہ۔

مولانا مرادآبادیؒ نے چھ دہے سے زائد ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے مدرسہ شاہی مرادآباد اور بعد میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں اور بہت سے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ وہ برسوں شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور صدر مدرس کی حیثیت سے مذکورہ دونوں اداروں سے منسلک رہے۔

مولانا ندیم الواجدیؒ نے اپنے مقالے میں مولانا مرادآبادیؒ کے درس بخاری کی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''حضرت شیخ فخر الدین احمدؒ کا درس انتہائی عالمانہ ہوتا تھا، وہ روایت کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے تھے، چاہے اس کا تعلق ترجمۃ الباب کے ساتھ اس کے ربط کا ہو، چاہے تشریح کا ہو، چاہے سند کا ہو، ہر پہلو سے ان کی بحث مکمل اور سیر حاصل ہوتی تھی'' (ص ۲۷۴)۔

درس و تدریس کے علاوہ آپ نے ملت کی عمدہ قیادت کی۔ جمعیۃ علماء کا لاہور اجلاس ۱۸-۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام کی صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کی تھی۔ اس اہم اجلاس میں ملت کے ہر گوشے سے محبانِ آزادی شریک ہوئے۔ مولانا مرادآبادیؒ نے اس پروگرام

کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی جدوجہد کی، اور مرادآباد اور امروہہ، اور اس کے مضافات کا ایک طوفانی دورہ کیا، اور ایک جمِ غفیر کی قیادت کرتے ہوئے ۷ار نومبر کو لاہور پہنچ گئے (ص ۳۹)۔

مولانا مرحوم تدریسی، علمی اور ملی عظیم خدمات کے علاوہ وہ ایک اچھے مصنف بھی تھے۔ ان کی چند علمی کتابیں یہ ہیں:

۱. ایضاح البخاری: درسِ بخاری دارالعلوم دیوبند پر مشتمل ہے، جسے مولانا ریاست علی بجنوریؒ نے نقل کیا تھا۔ اب تک اس کی مختلف جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

۲. القول الفصيح فيما يتعلق بنضد ابواب الصحيح: یہ کتاب عربی زبان میں ابواب بخاری کی ترتیب، ان میں موجود باہمی ربط و مناسبت پر مشتمل ہے۔

۳. القول النصيح فيما يتعلق بمقاصد تراجم الصحيح: یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کا موضوع بخاری کا ترجمۃ الباب اور باب کے درمیان موافقت اور مطابقت کو واضح کرتا ہے۔

۴. النور الفائض علىٰ نظم الفرائض: یہ علم الفرائض میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا فارسی زبان میں منظوم رسالہ ہے جس کا تکملہ مولانا مرادآبادیؒ نے اپنے استاذ کے رنگ میں لکھا ہے۔

ان کے علاوہ ان کی اور مختصر کتابیں مثلاً: اربعین، مفتاح العوامل وغیرہ ہیں۔

مجموعی لحاظ سے یہ مجموعہ مقالات مولانا مرادآبادیؒ پر مشتمل ایک قیمتی اور ضخیم دستاویز ہے۔ اس کے مرتب مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے بڑی جانفشانی سے عصری تقاضے کے مطابق اسے شائع کیا ہے۔

ایک جگہ فاضل مرتب نے لکھا ہے کہ "اس ملی و دینی تنظیم (جمعیۃ علماء ہند) کے اولین معماروں میں ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحب، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ثناء اللہ امرت سری، حضرت شیخ الہند کے تلمیذ رشید مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی اور سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی وغیرہ تھے" (ص ۲۲)۔ جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ایک نمایاں نام علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید صاحب کو جمعیۃ علماء ہند کے کئی اہم پروگراموں کی صدارت کرنے کا موقع ملا تھا، مثلاً جمعیۃ علماء ہند صوبہ ممبئی کے اجلاس کی صدارت اور جمعیۃ علماء ہند صوبہ کلکتہ کے اجلاس کی صدارت وغیرہ۔ حیات سلیمان میں شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں سید صاحب کا نام چھٹے مقام پر مولانا عبدالماجد بدایونی کے بعد لیا ہے۔ (فضل الرحمن اصلاحی)

# معارف کی ڈاک

## مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ

معارف (جون ۲۰۲۶ء) میں مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ پر مضمون کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔ اسی کے حوالے سے عرض ہے کہ مولانا پھول پوریؒ، جیسا کہ بخوبی معروف ہے، تاحیات دین وعلمِ دین کی خدمت میں مصروف رہے، تدریس کے علاوہ لوگوں کی اصلاح وتربیت اُن کا پسندیدہ مشغلہ رہاہے۔ میں نے اپنے مضمون کے عنوان میں اُن کے نامِ نامی کے ساتھ "مولانا" تحریر کیا تھا، لیکن شائع شدہ مضمون میں "فہرسِت مضامین" اور مضمون کے اصل مقام پر سرخی میں لفظ "مولانا" کو حذف کر دیا گیاہے۔ اسے باقی رکھا گیا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ مضمون کی مرسلہ فائل میں مضمون نگار کا نام صرف (ظفر الاسلام اصلاحی) درج تھا، شائع شدہ مضمون میں راقمِ عاجز کے نام سے پہلے "پروفیسر" کا اضافہ ہے، یہ غیر ضروری اضافہ نہ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ حقیقت یہ کہ مولانا پھول پوریؒ کے اوصافِ حسنہ میں تواضع وانکسار اور نام ونمود سے پرہیز بھی شامل تھا، وہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ اُن کے نام کے ساتھ بھاری بھرکم لقب یا توصیفی سابقہ ولاحقہ استعمال کیا جائے۔ اِن سب کے باوجود ناچیز کے خیال میں اُن کے تئیں ادب واحترام کا تقاضاہے کہ اُن کا نام زبانی لیتے وقت یا تحریر کرتے وقت لفظ "مولانا" استعمال کیا جائے۔ "معارف" کے ۲۰۲۶ء کے جنوری تا جون کے شماروں میں مضامین کے عنوان میں کچھ شخصیات کے نام کے ساتھ مولانا" یا" ڈاکٹر" کا سابقہ شامل ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس سے متعلق "معارف" کی کوئی پالیسی طے کر لی جائے، تاکہ کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔

آخر میں مولانا پھول پوری مرحوم کے مذکورہ وصف (تواضع وانکساری) اور اپنے نام کے ساتھ کسی توصیفی لقب کے استعمال پر اظہارِ ناپسندیدگی سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر باعثِ افادیت اور موجبِ عبرت ہوگا۔ ماہنامہ "نظام"، کانپور میں اُن کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ رسالہ میں مضمون نگار کی حیثیت سے ان کے نام کے ساتھ "شیخ المشائخ" کا لقب تحریر کیا گیا۔ اسے دیکھ کر انہیں دلی تکلیف ہوئی اور "نظام" کے ذمہ داروں کے نام خط میں یہ تحریر فرمایا: "نظام" میں اپنے نام کے ساتھ "شیخ المشائخ" لکھا ہوا دیکھ کر مجھے روحانی تکلیف ہوئی۔ یوں تو خطوط میں

لوگ عقیدت و محبت سے نہ جانے کیا کیا لکھ دیتے ہیں، اُن کی کہاں تک دھر پکڑ کروں، لیکن رسالہ کی شان دوسری ہے۔ منظرِ عام میں میں اِس خطاب کا متحمل نہیں ہو سکتا اور نہ میں اس لائق ہوں، لہٰذا امیں مدیر، مدیرِ معاون سے درخواست کرتا ہوں کہ لفظ "شیخ المشائخ" میرے نام کے ساتھ نہ لکھا کریں۔ عبد الغنی" (حیاتِ پھول پوری، مرتبہ / ابن الحسن قاسمی، ص۱۹۹۔۲۰۰)۔ "نظام" میں اِس مکتوب کو شائع کرتے ہوئے اس پر مدیرِ معاون نے جو نوٹ لگایا تھا اُس کا یہ حصہ بہت اہم معلوم ہوتا ہے: "اس تحریر گرامی کو اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ حضرتِ والا کے دوسرے عقیدت مندوں کو بھی حضرت کے ذوق کا علم ہو جائے اور لمبے چوڑے تعریفی الفاظ پسند کرنے والے بھی اس سے نصیحت حاصل کریں" (حوالۂ مذکور، ص۱۹۹)۔

طالبِ خیر / ظفر الاسلام اصلاحی، علی گڑھ
zafarul.islam@gmail.com

**معارف:** یہ بات پوری طرح درست نہیں ہے کہ مولانا عبد الغنی پھولپوری کے نام سے پہلے لفظ "مولانا" نکال دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پورے ۸/ صفحے کے اس مضمون میں ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ "مولانا" لکھا گیا ہے جبکہ چار جگہ ان کے نام سے پہلے "حضرت" لکھا گیا ہے۔ صرف مضمون کے عنوان میں "مولانا" حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے مضمون کا عنوان لمبا ہو جاتا اور دو سطروں پر پھیل جاتا۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ عناوین ایک سطری ہوں۔ **(مدیر)**

**ظفر الاسلام اصلاحی:** ۔۔۔ میں نے اپنے مراسلہ میں کہیں نہیں یہ لکھا تھا کہ زیرِ بحث مضمون میں ہر جگہ مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ کے نام سے قبل لفظ "مولانا" حذف کر دیا گیا ہے۔ میں نے صرف "فہرستِ مضامین اور مضمون کے اصل مقام پر سرخی کے حوالے سے لفظ "مولانا" حذف کیے جانے کا ذکر کیا تھا۔۔ مراسلہ میں تحریر کردہ میرے الفاظ ملاحظہ ہوں: "میں نے اپنے مضمون کے عنوان میں ان کے نامِ نامی کے ساتھ "مولانا" تحریر کیا تھا، لیکن شائع شدہ مضمون میں "فہرستِ مضامین" اور مضمون کے اصل مقام پر سرخی میں لفظ "مولانا" حذف کر دیا گیا ہے"۔

**معارف:** توضیح کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مولانا مرحوم کی کوئی بے عزتی نہیں کی گئی ہے بلکہ ادارتی ضرورت کے تحت صرف عنوان سے ایک لفظ ہٹایا گیا ہے، حالانکہ میں ذاتی طور سے انسانوں کے

لئے اس لفظ کے استعمال سے منقبض ہوتا ہوں جو اللہ پاک نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ ہمارے علماء "ملا" اور "مولوی" اور زیادہ سے زیادہ "علامہ" کا لفظ ذی علم لوگوں کے لئے استعمال کرتے تھے اور اب ہر داڑھی والا اپنے آپ کو "مولانا" لکھتا اور کہلواتا ہے (مدیر)۔

## روایات سیرت نبویؐ

مولانا کلیم صفات اصلاحی کی کتاب "روایات سیرت نبوی (بلاذری کے حوالے سے)" سیرت کے پروقار موضوع پر عمدہ تاریخی کتاب ہے۔ ہم نے اس کے تین نسخے حاصل کر لیے ہیں، لیکن حضور! فتوح البلدان عربی میں تو مل جاتی ہے جس سے علمائے کرام استفادہ کر لیتے ہیں لیکن مذکورکتاب کا اردو میں ہونا ضروری ہے۔ پاکستان سے نفیس اکاڈمی سے شائع ہو چکی ہے۔ دارالمصنّفین سے ضروری کتابیں آئے دن شائع ہوتی رہی ہیں۔ پتہ نہیں یہ اہم کتاب کیوں نظر انداز ہوئی ہے۔ اسے شائع ہونا چاہیے۔ انگریزی ترجمہ Conquest of Cites ہمارے یہاں ہے لیکن نہایت ہی خستہ ہے۔ ان شاء اللہ آپ توجہ فرمائیں گے۔

**پروفیسر محی الدین۔جی۔بامبے والا**

ڈائریکٹر، حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، پیر محمد شاہ روڈ،

پانکورناکا، احمد آباد۔۳۸۰۰۰۱

pmslibrary@ymail.com

**معارف:** ہمارے رفیق کلیم صفات اصلاحی کی تاریخ بلاذری پر کتاب پر آپ کے تبصرے کا شکریہ۔ دارالمصنفین سے کچھ نہ کچھ کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں نیز مجلہ "معارف" بھی پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ میں آپ کی گراں قدر رائے کو اپنے رفقاء تک پہنچا رہا ہوں۔ مستقبل میں اس کا خیال رکھا جائے گا اور اگر مذکورہ کتاب کے حقوق ہمیں مل سکتے ہیں تو اس کی اشاعت کی بھی کوشش کی جائے گی (ڈاکٹر ظفر الاسلام خان)۔

**کلیم صفات اصلاحی کی وضاحت:** تاریخ بلاذری کا پہلا سلیس اور رواں اردو ترجمہ سید ابوالخیر مودودی کے قلم سے دو جلدوں میں (جلد اول: ۱۹۳۶ء اور جلد دوم: ۱۹۴۰ء) جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہی ترجمہ ایک جلد میں علی فرید پرنٹرز لاہور سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا ہے۔

## محمد مصطفیٰ الاعظمی کے احادیث نبویہ کے کمپیوٹرائزیشن کی موجودہ صورتحال

ماہنامہ "معارف" کے شمارہ مئی ۲۰۲۶ء میں شائع شدہ اپنے مضمون "احادیث نبویہ کا کمپیوٹرائزیشن: محمد مصطفیٰ الاعظمی کی خدمات"، میں، میں نے یہ دکھایا ہے کہ احادیث نبویہ کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا سب سے پہلا سہرا محمد مصطفیٰ الاعظمی کو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے انھوں نے تقریباً تیس سال کا عرصہ اور ذاتی سرمایہ لگایا۔ اس کے باوجود ان کے اس کام کو عوام و خواص کے درمیان مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس پر ایک قاری کا سوال ہوا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان کا کام کہاں ہے اور اس سے استفادہ کی کیا صورت ہے؟

اس سوال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء میں مصطفیٰ الاعظمی نے احادیث کے کمپیوٹرائزیشن کا کام شروع کیا اور دو سال میں کتب حدیث، لغت اور اسماء الرجال کی کئی کتابوں کو کمپیوٹرائزڈ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے اس کامیاب تجربہ، صحیح ابن خزیمہ کی تحقیق و اشاعت اور دراسات فی الحدیث النبوی کی تصنیف کے نتیجہ میں سعودی عرب نے انھیں فروری ۱۹۸۰ء میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا، اور اس کی سند میں اس بات کی وضاحت کی کہ بذریعہ کمپیوٹر احادیث نبویہ کی تدوین میں انھیں اولیت حاصل ہے۔

کمپیوٹرائزیشن کے اس کام میں انھیں جیسے جیسے کامیابی ملتی گئی، وقت گزرنے کے ساتھ کمپیوٹر کی دنیا میں ترقی ہوتی گئی ویسے ویسے ان کے اس منصوبہ میں بھی توسیع ہوتی گئی۔ انھوں نے سب سے پہلے بغیر اعراب کے متون کو لکھا۔ اس کے بعد ان متون کے ایک ایک لفظ کا مختلف قدیم اور موثق مخطوطات سے مقارنہ کیا۔ پھر المعجم المفہرس کے طرز پر احادیث کی کمپیوٹرائزڈ معجم تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور اسی کے نتیجے میں ۱۹۸۲ء میں المعجم المفہرس لالفاظ سنن ابن ماجہ تیار کر کے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اسی طرح احادیث کی تحقیق و تخریج کے لیے متون کو بااعراب کرنے اور کمپیوٹر کو نحو و صرف کے قواعد کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو بھی اپنے منصوبے میں شامل کیا اور کچھ عرصے کے بعد جب کامیابی ملی تب تک کمپیوٹر کی دنیا میں سی-ڈی-روم وجود میں آچکا تھا۔ یہ مواد کی حفاظت کی ایک بہتر شکل تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پورے کام کو سی-ڈی-میں منتقل کیا اور اسے "الیکٹرانک حدیث لائبریری" کا نام دیا۔ اس میں انھوں نے احادیث کا انگریزی ترجمہ بھی شامل کیا جو ایک ہی اسکرین پر عربی متن کے سامنے دکھائی دیتا تھا۔ ان کے اس کام کی پہلی عام

رونمائی جون ۱۹۸۹ء کو اردن کی راجدھانی عمان کی ایک کانفرنس میں ہوئی۔ اس کے اگلے سال انھوں نے مختلف جامعات اور علمی مراکز پر بھی اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے منصوبے کو عالمی شکل دینے کی کوشش کی اور اس کے لیے نیا منصوبہ بنایا کہ احادیث کا دنیا کی مختلف مشہور زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جائے، وہ بھی اس طرح سے کہ حدیث کے متن پر کلک کرتے ہی وہیں پر اس کا ترجمہ کھل جائے اور اگر غزوات یا کسی مشہور جگہ کا ذکر ہو تو اس کا نقشہ بھی ایک کلک پر وہیں دکھائی دے، جسے بآسانی زوم کیا جاسکے۔ چنانچہ ۱۹۹۲ء میں ان کا یہ منصوبہ بھی پورا ہوگیا۔ لیکن جس امید اور محنت سے انھوں نے اس کام کو انجام دیا تھا عوام و خواص نے اسے وہ اہمیت اور پذیرائی نہیں دی۔ لہٰذا ان کی یہ ڈیجیٹل لائبریری لوگوں میں غیر معروف رہ گئی اور اس کی جگہ دوسری ڈیجیٹل لائبریریوں کو خوب شہرت ملی۔

ان کے پروجیکٹ کی عدم مقبولیت کی بنیادی وجہ اس کا کافی زیادہ تاخیر سے منظر عام پر آنا تھا، کیوں کہ ان سے قبل ۱۹۸۵ء میں عالمیہ الیکٹرانکس کمپنی نے ڈیجیٹل لائبریری جاری کی تھی۔ جس میں صرف صحیح بخاری کی احادیث کو تلاش کیا جاسکتا تھا۔ بعد میں اس میں دوسری کتب حدیث کو شامل کیا گیا لیکن ان کے متن کی کوئی تحقیق نہیں کی گئی تھی۔

انھیں اس ناکامی کا اتنا زیادہ صدمہ ہوا کہ اس حدیث پروجیکٹ پر کام کو ترک کرکے انہوں نے قرآن کی حفاظت اور تاریخ پر کام شروع کردیا اور اس موضوع پر پچیس سال میں صرف دو کتابیں لکھی لیکن دونوں لاجواب ہیں۔

مصطفیٰ الاعظمی کے حدیث پروجیکٹ کی حقیقت اور موجودہ صورتحال کے متعلق ان کے صاحبزادے پروفیسر عقیل الاعظمی سے میں نے بات کی تو انھوں نے بتایا کہ ”والد صاحب کا سارا کام میرے پاس موجود ہے، اور اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ احادیث نبویہ کے کمپیوٹرائزیشن میں وہ پہلے شخص ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں والد صاحب کی تحقیق سے چار جلدوں میں سنن ابن ماجہ کا شائع شدہ نسخہ اس کی واضح دلیل ہے۔ یہ نسخہ پوری طرح سے کمپیوٹرائزڈ تھا۔ اس پروجیکٹ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ والد صاحب نے اس پروجیکٹ پر سالوں کی شب و روز کی محنت کے ساتھ بہت پیسے خرچ کئے تھے۔ نیز اس کو قابل اعتماد بنانے کے لیے متن کے ایک ایک لفظ کا کتاب کے مختلف مخطوطوں سے مقارنہ کیا تھا تاکہ اس میں کسی بھی طرح کی کمی یا شک و شبہہ کی گنجائش نہ

رہے اور لوگ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ ان سب چیزوں کو ملا کر ان کے ڈیجیٹل مکتبہ کی قیمت کافی زیادہ ہو گئی تھی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جب تک یہ کام مکمل ہوا اس وقت تک اس طرز پر سعودی عرب میں کئی مکتبے آگئے تھے۔ جن کی سی-ڈی-دس بارہ ریال میں آسانی سے ہر جگہ مل جاتی تھی۔ اس لیے لوگ مہنگی سی-ڈی-خریدنے سے کتراتے تھے۔ اس پر والد صاحب نے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میرے اور دوسروں کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میرا کام محقق ہے جب کہ دوسروں کے یہاں تحقیق کا التزام نہیں ہے لیکن لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ جس کا والد صاحب کو بہت افسوس تھا کہ ہماری قوم کھانے پینے اور لہو و لعب پر بھاری بھاری رقم خرچ کر دیتی ہے لیکن تعلیم کے لیے ایک ریال مہنگا لگتا ہے۔ انھیں اصل اور نقل کی پہچان نہیں ہے صرف چمک سے مطلب ہے۔

۱۹۸۹ء میں تیار شدہ الیکٹرانک حدیث لائبریری کا ایک نمونہ، جس میں ایک ہی اسکرین پر دو ونڈو ایک ساتھ دکھائی دے رہی ہیں، ان میں سے دائیں جانب انگریزی ترجمہ اور بائیں جانب عربی متن ہے۔

**ڈاکٹر شکیل الرحمن**

shakeelmau7@gmail.com

## رسید کتب موصولہ

نصیر انصاری، آئینۂ فکر: اکبر نگر، نبی گنج بارہ بنکی، صفحات:۳۲۸، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر ۹۳۳۵۸۶۸۱۵۸

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، رفیق احمد رئیس سلفی (جمع وترتیب)، ڈاکٹر محمود حافظ عبدالرب مرزا (تعریب)، **الاسلام فی عیون الغرب** (عربی): دارالدواۃ، لبنان، بیروت، صفحات:۳۹۸، سالِ اشاعت:۲۰۲۴ء، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر:۰۰۹۶۱۷۶۳۶۷۰۱۳

امتیاز وحید، عمیر منظر، تابش مہدی، **یادیں باتیں**: مکتبہ النور، دیوبند، صفحات: ۴۵۶، سالِ اشاعت:۲۰۲۵ء، قیمت:۵۵۰روپے، موبائل نمبر:۷۶۶۸۳۸۱۱۹۲

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، **زمانہ کا چیلنج اور اس کا مقابلہ**: مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ، صفحات:۱۴۴، سالِ اشاعت:۲۰۲۵ء، قیمت:۱۳۰روپے، موبائل نمبر ۹۹۱۹۳۳۱۲۹۵

حمیدہ بانو، **سرگوشی**: عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، صفحات: ۲۱۶، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، قیمت: ۵۰۰روپے، موبائل نمبر: ۹۲۵۵۸۸۴۹۸۲

اظہر سلیم، **عکس دروں**: امام گنج، نزد شاخ جامعہ مفتاح العلوم، مئو، صفحات: ۲۳۲، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت:۴۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۰۴۴۱۲۳۱۴۷

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، **علوم و معارف**: پاریکھ بک ڈپو، لکھنؤ، صفحات: ۲۳۲، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، قیمت:۵۰۰روپے، موبائل نمبر:۹۳۸۹۴۵۶۷۸۶

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، زریاب احمد فلاحی (تلخیص وترجمہ)، **کلامِ الٰہی کی بشری ترجمانی**: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، صفحات:۵۲۴، سالِ اشاعت:۲۰۲۶ء، قیمت:۶۰۰روپے، موبائل نمبر: ۹۸۹۷۶۷۴۵۵۰

مولانا محمد فرمان ندوی، **مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، شخصیت اور علمی وادبی خدمات**: مکتبہ شباب، ندوہ روڈ، لکھنؤ، صفحات: ۱۷۶، سالِ اشاعت: ۲۰۲۴ء، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر: درج نہیں۔

محمد شرف الدین بی۔ اے، محمد سعید الدین فرخ (مرتب)، **ہندوستانی معاشیات کے مبادی (مع) خصوصی تفصیلات مملکت آصفیہ**: نیو ملے پلّی، حیدرآباد، صفحات:۳۳۷، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت:۵۰۰روپے، موبائل نمبر:۷۸۹۳۵۷۳۸۵۵

# تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

| اسمائے کتب | قیمت | اسمائے کتب | قیمت |
|---|---|---|---|
| سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن) | 2000/- | موازنہ انیس و دبیر | 250/- |
| سیرۃ النبی (خاص ایڈیشن مکمل ۷ جلدیں) | 2800/- | اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر | 125/- |
| مقدمہ سیرۃ النبی | 30/- | سفرنامہ روم ومصر وشام | 200/- |
| الفاروق | 350/- | کلیات شبلی (اردو) | 220/- |
| الغزالی | 300/- | کلیات شبلی (فارسی) | -- |
| المامون | 175/- | مقالات شبلی اول (مذہبی) | 170/- |
| سیرۃ النعمان | 400/- | مقالات شبلی دوم (ادبی) | 70/- |
| سوانح مولانا روم | 220/- | مقالات شبلی سوم (تعلیمی) | 170/- |
| شعر العجم اول | 250/- | مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) | 200/- |
| شعر العجم دوم | 150/- | مقالات شبلی پنجم (سوانحی) | 150/- |
| شعر العجم سوم | 150/- | مقالات شبلی ششم (تاریخی) | 150/- |
| شعر العجم چہارم | 200/- | مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) | 100/- |
| شعر العجم پنجم | 150/- | مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری) | 150/- |
| الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) | | انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی) | 200/- |
| تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی | 350/- | مکاتیب شبلی اول // // | -- |
| خطبات شبلی | 150/- | مکاتیب شبلی دوم // // | -- |
| الکلام | 350/- | اسلام اور مستشرقین چہارم | |
| علم الکلام | 200/- | (علامہ شبلی کے مقالات) | 250/- |

**Total Pages: 84 (Including Cover Page)**

**JULY 2026 Vol- 213(7) ISSN 0974-7346 Ma'arif(Urdu)-Print**

**RNI. 13667/57** MA'ARIF **AZM/NP- 43/2026-28**

*Monthly Journal of*

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY**

P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)

Email: info@shibliacademy.org

## دارالمصنّفین کی نئی مطبوعات

| | | |
|---|---|---|
| روایاتِ سیرت نبویؐ (بلاذری کے حوالے سے) | مولانا کلیم صفات اصلاحی | 450/- |
| مصادرِ سیرت نبویؐ (مجموعۂ مقالات سیمینار) | مرتبہ: مولانا کلیم صفات اصلاحی | 600/- |
| عہد اسلامی کا ہندوستان: معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل | پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی | 300/- |
| وفیات مشاہیر (مولانا ضیاء الدین اصلاحی) | ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں وسلیم جاوید | 600/- |
| دارالمصنّفین کے سوسال (اضافہ شدہ) | مولانا کلیم صفات اصلاحی | 500/- |

## تاریخ ساز ادارے کے معاون خاص بنئے

برصغیر کے قدیم ترین علمی اور تحقیقی ادارہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ کو خود کفیل بنائیے۔ سنہ ۱۹۱۴ سے قائم یہ وہی ادارہ ہے جس نے علامہ شبلی نعمانی کی شہرہ آفاق تصنیف سیرت النبی سمیت ۲۸۰ بیش قیمت علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔ آج جبکہ تاریخ کے نام پر مسلمانان ہند پر یلغار ہو رہی ہے، اس ادارے کو تقویت دینا اور خود کفیل بنانا پوری ملت کا فرض ہے۔ کم از کم پانچ ہزار روپے سالانہ تعاون فرمائیں۔ اکاؤنٹ کی تفصیل اور QR کوڈ حاضر ہے۔

**A/C: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH**
**A/C No: 0504010100032752**
**Bank Name: PUNJAB NATIONAL BANK**
**Branch: HEERPATTI - AZAMGARH (U.P.)**
**IFSC: PUNB 0476100 - Bank Code: 476100**

**Darul Musannefin Shibli Academy**
**Shibli Road, Azamgarh-276001, U.P.**
**Contact: Dr Fakhrul Islam Azmi, Dy. Director**
**Mobile: 99352 33940**
**Email: info@shibliacademy.org [to inform after remittance]**
**www.shibliacademy.org**

7309301663m1@pnb
Scan and pay with any BHIM UPI
BHIM UPI

تعاون بھیج کر اپنے پورے پتہ کے ساتھ ہمیں ای-میل سے مطلع کریں۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام خان (ڈائرکٹر)